اس کتاب کے جملہ حقوق بموجب ایکٹ نمبر ۳ سنہ ۱۹۱۴ ہمارے نام محفوظ ہیں۔

۷۸۶

مکمل تاریخ حبیب ختم النبیین

سوانح حیات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

معروف بہ

ہادیٔ اسلام علیہ السلام

یعنی

حضور سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ محبوب کبریا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم
کے مفصل حالات زندگی

مرتبہ

حکیم ما لثنا تاج الدین احمد صاحب تاج پروفیسر طبیہ کالج شاہدرہ

سستی کتابیں منگوانے کا پتہ

ڈاکٹر ایم۔ اے علیم۔ مالک
فرم منشی عزیز الدین شمس الدین تاجران کتب و پبلشرز بازار کشمیری لاہور

قیمت ڈیڑھ روپیہ عہ

سنہ ۱۹۳۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

خدا کے حبیب خدا کے سچے رسول محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی مقدس و متبرک زندگی کے حالات مسلم نے لکھے، غیر مسلم نے لکھے، اچھے لکھے برے لکھے اور نہایت کثرت سے حضور خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کسی کلمۂ خیر کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ وہ تو اپنے محسود کی خوبیوں کو بھی عیب بنا کر ہی دنیا میں ظاہر کریگا۔ لیکن خدا کے سچے رسول کی پاکیزہ تعلیمات اور بے ریا زندگی کی معجز نما صداقت میں وہ تاثیر ہے۔ کہ آپ کے بڑے سے بڑے مخالف بھی بعض اوقات آپ کے محاسن کے معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے ؂

ایک مسلم کے حسن عقیدت کا تو تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ اپنے آقا و مولا کے محامد و محاسن کو نہایت عمدہ اور بہترین و دلچسپ اور اور موثر پیرایہ میں بیان کرے۔ اور یہی اُس کے ایمان صادق کی علامت ہے اور جس کثرت سے بھی وہ اپنے ہادی و پیشوا کا تذکرہ کرے اس کے لئے تھوڑا ہے۔ مگر غیر مذاہب میں بھی خداوند

تبارک وتعالےٰ نے بعض ایسے نیک دِل اور غیر متعصّب افراد پیدا کئے ہیں۔ کہ جنہوں نے حضور ہادیٔ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سوانح پاک کو نہایت خلوص اور تعصّب سے دل کو خالی کر کے لکھا ہے۔ چنانچہ اس وقت جناب شردھے پرکاش دیوجی پرچارک براہم دھرم کے قلم کی لکھی ہوئی حضور سرورِ کائناتؐ کی ایک سوانح عمری میرے سامنے ہے۔ جس میں آپ نے حضور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات نہایت نیک نیتی بے تعصّبی اور محبت کے ساتھ لکھے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے آپ نے تاریخ اسلام پر عبور کامل نہ ہونے کے باعث یا بعض مذبذب الایمان اور بے ادب مسلمانوں کی تصنیفات سے متاثر ہو کر اس سوانح عمری میں بعض واقعات ایسے لکھ دیئے ہیں جنہیں ایک صادق العقیدہ مسلمان اور محبوب پاکؐ کا سچّا عاشق پڑھ کر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اور نہ ہی ان عقائد کو اپنے دل میں جگہ دے سکتا ہے÷

مثلاً غار حرّا میں جبریل علیہ السلام کا حضور کو دکھائی دینے اور سورہ علق کی آیات تلاوت کرنے یا سکھانے کے متعلق دیو پرکاش صاحب کا یہ نوٹ دینا۔ کہ بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرشتہ کوئی نہیں آیا صرف اُنکے دل میں ہی یہ القا ہوا تھا۔ اور خود بخود اُن کی زبان سے یہ پانچ آئتیں نکلی تھیں÷

یا واقعہ معراج شریف کو ایک کشف یا رویائے روحانی اور لفظ رویا کو صرف معنی خواب پر چسپاں کرنا۔ یا قرآن مجید میں اصحاب الفیل کے حسب واقعہ کی نسبت تذکرہ ہے۔ اُس پر نوٹ لکھتے ہوئے یہ لکھنا۔ کہ ساری فوج معہ ہاتھیوں کے چیچک کی بیماری سے ہلاک ہوگئی وغیرہ وغیرہ؛

پس میں نے خیال کیا۔ کہ ایسے غلط عقاید کی تردید اور اصلاح کی جائے اور جو اصل واقعات ہیں۔ وہ بیان کئے جائیں تا کہ پرکاش دیو صاحب کی مرتبہ سوانح عمری کے مطالعہ سے یہ غلط عقاید مسلمانوں میں رائج نہ ہو جائیں علاوہ ازیں پرکاش دیو صاحب کی سوانح عمری میں یہ ایک بڑی قباحت ہے۔ کہ انھوں نے بوجہ غیر مذہب ہونے کے حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کو بار بار صرف محمد صاحب کر کے لکھا ہے اور اصحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے نام پاک بھی اسی انداز سے لکھے ہیں۔ یہ میں مانتا ہوں۔ کہ انہوں نے عمداً بے ادبی کی نیّت سے ایسا نہیں کیا۔ مگر ایک مسلمان جب ان اسمائے پاک کو ایسے ادبانہ طرز تحریر سے پڑھے گا۔ تو اُس کی طبیعت اور اُس کی زبان بھی رفتہ رفتہ اسی قسم کی سوءِ ادبی کی خُوگر ہو جائے گی؛

ان تمام تاثیرات کو محسوس کرتے ہوئے میں نے چاہا۔ کہ میں خود ایک سوانح عمری حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام کی اس انداز سے لکھوں کہ جس سے مندرجہ بالا عقائد کی تردید بھی ہو جائے۔ اور حضور ہادئے اسلام علیہ السلام کے

صحیح حالات زندگی بھی صادق العقیدہ مسلمانوں کے ذہن نشین ہوجائیں یہ سوانح عمری جناب شردھے پرکاش دیوجی صاحب کی تردید کیلئے مخاصمانہ رنگ میں نہیں لکھی گئی۔ بلکہ محض مسلمانوں کو صحیح حالات سے آگاہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے مگر پرکاش دیو صاحب کا اپنی مرتبہ سوانحعمری کے دیباچہ میں یہ لکھنا کہ "جو واقعات اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں ان کی خاطر خواہ چھان بین کر لی گئی ہے۔ اور بااطمینان کہا جا سکتا ہے۔ کہ اُن واقعات کی صحت میں دوست و دشمن کو کلام نہیں" مبالغہ پر مبنی ہے، کیونکہ اُس میں اکثر ایسے غلط واقعات ہیں جن کسی ہمیں اتفاق نہیں۔ اور انہی غلط واقعات کی اصلاح کیلئے موجودہ سوانحعمری لکھی گئی ہے۔ اگر آپ بعض حالات غلط نہ لکھتے۔ تو ہمیں اپنے دیباچہ میں ایسے الفاظ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

اخیر میں میں یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ پرکاش دیو صاحب کی تحریر کردہ سوانح عمری غیر مذاہب کے مطالعہ کے قابل اور اُن کے لئے ازبس مفید ہے۔ مگر صادق العقیدہ مسلمانوں کو اُس کے مطالعہ کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نے حضور کی یہ سوانحعمری اپنی قابلیت اور علمیت کے اظہار کے لئے نہیں لکھی۔ بخدا یہ خیال ہی نہیں۔ بھلا میرے جیسا نالایق بے علم جاہل اُس شہنشاہِ بحر و بر محبوب رب العالمین کے سوانح پاک کو قلم بند کرنے کی کیا جرأت کر سکتا ہے۔ یہ تو محض اس خیال سے۔ کہ جس قدر بھی کثرت سے محبوبِ پاک کا تذکرہ کیا جائے۔

جائے باعثِ ثواب ہے۔اور مسلمان بھی جب بار بار حضور علیہ السلام کے حالاتِ زندگی کو پڑھیں گے تو ایک طرح سے حضور کی سیرتِ حسنہ ان کو ازبر ہو جائے گی۔

اس موقعہ پر میں یہ ظاہر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ کہ جناب کاش دیو صاحب کے دیباچہ کے مندرجہ ذیل الفاظ نے میرے دل پر تازیانہ غیرت کا کام کیا۔ یعنی وہ کہتے ہیں۔ کہ جس طرح دنیا میں اور بزرگ اپنے اپنے جلال اور بزرگی کا ایک مستحکم ستون قایم کر گئے ہیں اسی طرح محمدؐ صاحب بھی اپنی فضیلت کا ایسا مضبوط جھنڈا کھڑا کر گئے کہ جو ہمیشہ کے لئے اُن کی یادگار رہے گا۔ یعنی یہی اسلام کا جھنڈا جس کے نیچے اس وقت ۳۰ کروڑ کے قریب دنیا کے آدمی پناہ گزیں۔اور اُن کے نام پر جان دینے کے لئے مستعد کھڑے ہیں۔جو اُن کی فضیلت کا بڑا عالی شان نشان ہے مگر افسوس باوجود اس کے کہ اس قدر لوگ محمدؐ صاحب کے پیرو۔ اور اُن کے نام پر جان تک قربان کرنے کو تیار ہیں مگر ایسے بہت ہی کم لوگ ہیں جو اُن کی اعلیٰ زندگی کے حالات سے واقف ہیں۔ ہم کو سینکڑوں ہزاروں ایسے لوگوں سے ملنے کا اکثر اتفاق ہوا ہے جو اپنے تئیں پکا مسلمان کہتے ہیں؛ لیکن اگر اُن سے محمدؐ صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حالات کی بابت کچھ استفسار کرو۔ تو مُنہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

حالانکہ وہی لوگ جانِ عالم اور بے نظیر کے تمام افسانے ازبر سُنا

سکتے ہیں یہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ جس شخص کے نام پر مسلمان جان دیں۔ اس کے صرف نام ہی نام سے واقف ہوں۔ اور کچھ بھی خبر نہ رکھیں" بے شک جناب دیو پرکاش صاحب نے بالکل صحیح لکھا ہے بلکہ دردِ دل کے ساتھ عرض کروں گا۔ کہ مسلمانوں کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے۔ وہ نہ صرف جانِ عالم اور بے نظیر کے افسانے سُنا سکتے ہیں۔ وہیر رانجھا و سوہنی مہینوال کو نوک زبان سُنا سکتے ہیں۔ وہ لچھی اور جنی لینی "ایں ستاریا نوالی وغیرہ کے حیاسوز گیت سنا سکتے ہیں۔ یہ نہ صرف تمام سن رسیدہ مسلمانوں کی حالت کا فوٹو ہے۔ بلکہ مسلمان عورتوں لڑکیوں اور بچوں کو بھی یہی پلیگ کی بیماری لاحق ہے۔

میرے خیال میں اگر مسلمانوں میں ذرا بھی غیرت اسلامی ہے۔ تو اُن کو چاہیئے۔ کہ وہ آج ہی حضور سرورِ کائنات کی مقدس زندگی کے پیارے حالات کو حفظ کرنا شروع کر دیں۔ اور نہ صرف خود اس کے عامل ہوں۔ بلکہ اپنے خوردسال بچوں کو بھی آج ہی سے اس نیک کام کی تعلیم شروع کرادیں۔ اور پھر دیکھیں۔ کہ مسلمانوں کی اولاد کیسی نیک اور صالح ہوتی ہے۔

اسلامی مدارس کا یہ فرض اولین ہونا چاہیئے۔ کہ جہاں وہ تاریخ ہند اور جغرافیہ وغیرہ بچوں کو یاد کراتے ہیں۔ وہاں مسلمان بچوں کو رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک سوانح عمری بھی حفظ

کرائیں۔ تاکہ وہ جوان ہوکر اسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں۔ اور بچپن ہی سے پاکیزہ اور نیک خیالات میں تربیت و تعلیم و پرورش پائیں۔

کیا ہی اچھا ہو۔ کہ خود مسلمان بھی مختصر سوانح عمری اپنے بچوں کی تعلیم اور خاص اپنی ذات کے لئے تجویز فرمائیں۔

اخیر میں میں نہایت ادب سے نکتہ چین حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ اگر کسی مقام پر مجھ سے کوئی غلطی یا علمی لغزش سرزد ہوگئی ہو۔ تو اُس سے براہِ کرم مجھے اطلاع بخشیں ؛ اور اگر اس سوانحعمری میں اُنہیں کوئی بات پسند آئے اور اُن کی طبیعت خوش ہو۔ تو خاکسار کو ضرور دُعائے خیر سے یاد فرماکر عنداللہ ماجور ہوں ؛

اخیر میں میں یہ ظاہر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ میں نے اس کتاب میں جناب قاضی محمد سلیمان، صاحب ایمان مصنف الصلوٰۃ والسلام وغیرہ اور جناب منشی امیر الدین صاحب وکیل ریاست بیکانیر مصنف النبی الموعودؐ کی تصانیف سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا ہے خداوند تعالےٰ و تبارک اُن کو جزاء خیر دے۔ آمین ثم آمین ؛

خیر طلب
تاج الدین احمد تاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہِ الکریم)

ولادتِ باسعادت

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلیٰ اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ۔ عَلیٰ اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلیٰ اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۱ ۵ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے قبل بالعموم تمام عالم اور بالخصوص تمام عرب کی اخلاقی مذہبی روحانی زندگی نہایت شرمناک اور حیا سوز تھی۔ فاران کی چوٹیوں پر ظلمتِ کفر چھائی ہوئی تھی۔ اور خود تمام دُنیا کی سردار اور شریف قوم بنی اسمٰعیل باطل پرستی کی گہری غار میں اوندھی گری ہوئی تھی۔ کعبہ کے اندر اور اُس کے گرد تین سو ساٹھ بُت پوجے جاتے تھے۔

ہبل ایک بہت بڑا بُت کعبۃ اللہ کے اُوپر رکھا ہوا تھا۔ قبیلہ بنی کلب کے بُت کا نام وَدّ تھا۔ بنی مذحج کے بُت کا نام

۱ با وضو ہو کر اور درود شریف پڑھ کر سوانح عمری کو شروع کرنا چاہیئے۔

سواع تھا۔ قبیلہ بنی ہمدان نے یعوق نامی بت کو اپنا معبود بنایا ہوا تھا قبیلہ بنی مراد نے یغوث نامی بُت کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ نسر نامی بُت قبیلہ بنی حمیر کا تھا۔ اور یمن کے لوگ اُس کی پوجا کرتے تھے۔ بنی غطفان کے بُت کا نام عُزّٰے تھا۔ اور ایک دوار نامی بُت تھا۔ جس کی پرستش تمام نوجوان عورتیں کرتی تھیں۔

لات و منات وہ بُت تھے۔ جو کسی مخصوص قبیلہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ تمام باشندگانِ عرب کے معبود تھے۔ کوہ صفا پر اساف نامی بت نصب تھا۔ نائلہ نامی بُت کوہ مروہ پر گاڑا ہُوا تھا یہ بُت ایک طرح کے قربان گاہ تھے۔ اور ہر قسم کی یہاں پر بھینٹ چڑھتی اور قربانی ہوتی تھی۔ اور سفر کے جانے اور واپس آنے کے وقت بوسہ دیا جاتا تھا خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی ایک مجسّمہ تھا۔ اور اُس کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر دیئے ہوئے تھے۔ اور ایک بھیڑ کے بچّہ کی مُورت اُس کے روبرو کھڑی ہوئی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی تصویریں بھی کعبۃ اللہ کی دیواروں پر چسپاں تھیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی بھی ایک مورت یا تصویر اس طرح پر تھی۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام اُن کی گود میں ہیں۔ عبعب نامی ایک بہت بڑا پتھر تھا۔ جس پر اونٹوں کی قربانی کرتے تھے۔ اور اُس پر ذبیحہ کے خون بہنے کو بہت ناموری کا کام سمجھتے تھے۔ عرب میں ایک اور فرقہ بھی تھا۔ جو کسی چیز کو نہیں مانتا تھا۔ ہستی باری تعالےٰ

کا منکر تھا۔ اور نہ ہی مذہب انبیاء علیہم السلام کا قائل تھا۔ اور نہ بُت پرستی کو مانتا تھا۔ جزا و سزا وغیرہ کا بھی اعتقاد نہ رکھتا تھا۔ اور انسانوں جانوروں اور نباتات کا خاص عمر تک پہنچ کر مرجانے کا قائل تھا۔ یہ طریقہ لامذہبی کہلاتا تھا۔ اِس کے برعکس ایک فرقہ تھا۔ جس میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک تو غیر معلوم اور پوشیدہ ہستی کو اپنا خالق مانتے تھے۔ باقی دیگر امور میں اُن کا عقیدہ لامذہبوں سے ملتا جلتا تھا۔ دوسرے لوگ روح کو غیر فانی تصور کرتے تھے۔ مگر اُن کے پاس کوئی ہدایت نامہ نہیں تھا۔ اُن دونوں مذہب صابئی بھی عرب میں رائج تھا۔ جس کو قوم سامری نے مروّج کیا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہم السلام کا پیرو بتاتے تھے۔ اور اُن کے پاس ایک کتاب بھی تھی۔ جس کو وہ صحیفۂ شیث کہا کرتے تھے۔ اُن کے یہاں ایک مہینے کے روزے بھی فرض تھے۔ اور سات وقت کی نماز تھی۔ مگر یہ مذہب خراب ہوگیا۔ اور اس کے پیرو ستاروں کی پرستش کرنے لگ گئے تھے۔ اور انہوں نے سات ستاروں کے سات ہیکل (معبد) بنا رکھے تھے۔ اور ساتوں ستارگان کا ہر ایک کام میں نیک و بد اثر خیال کیا کرتے تھے۔ موسوی مذہب کو عرب میں یہودیوں نے رواج دیا تھا۔ جو پانچویں صدی قبل عیسوی میں بخت نصر کے ظلم و ستم سے ملک شام سے بھاگ کر شمالی عرب

میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے - انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا - اور قبیلہ کنانہ حارث - ابن کعب کندہ کے اکثر لوگوں کو انہوں نے اپنے مذہب میں داخل کیا۔

عیسائی مذہب تیسری صدی عیسوی میں اُن عیسائیوں کے ذریعے ملکِ عرب میں داخل ہؤا تھا۔ جو مشرقی گلیشیا میں بدعات اور ہر قسم کی خرابیاں داخل ہونے کی وجہ سے اپنا اصلی وطن چھوڑ کر بمقام نجران آباد ہوئے تھے - یہ کل عیسائی یعقوبی فرقہ کے تھے اور اُنہوں نے بھی عرب میں مذہب عیسوی پھیلایا تھا۔

علاوہ ازیں تمام عرب میں فسق و فجور - چوری - رہزنی - قمار بازی وحشیانہ خونریزی - دختر کشی - شراب خوری - عورتوں کی حق تلفی - زناکاری - وغیرہ کا بازار گرم تھا - اور برائیوں کا کوئی ایسا دقیقہ نہیں تھا - جو اہل عرب نے نہ اُٹھا رکھا ہو - گو عرب کی ایسی بُری حالت تھی - مگر پھر بھی ان لاکھوں سنگریزوں میں کئی ایک تابناک جواہر چھپے ہوئے تھے۔

پس خداوند تبارک وتعالےٰ کی سُنّتِ جاریہ کے مطابق ضروری تھا - کہ اس موقع پر بھی ایک اولوالعزم اور برگزیدہ رسُول مبعوث ہو - کہ جس کے رُوحانی فیضان سے تمام سیّئات حسنات سے مُتبدل ہو جائیں - یہی وہ زمانہ تھا - کہ جس کے متعلق انبیاء علیہم السلام کئی صدیاں پیشتر پیشینگوئیاں کر گئے تھے۔ اور یہی وہ زمانہ

تھا۔ جس میں ایک محبوب پاک کی پیدائش کے متعلق انبیاء علیہم السلام نے تمنائیں کیں، دعائیں کیں اور خوشخبریاں سنائی تھیں؛

عرب کے قبیلۂ قریش کی شاخ بنی ہاشم میں حضرت عبداللہ بن عبد المطلب ایک نہایت خوبصورت جمیل و رعنا و صالح جوان تھے ۲۴۔سال کی عمر میں انہوں نے حضرت بی بی آمنہ بنت وہب سے جو صورت و سیرت میں تمام عرب سے افضل و اعلیٰ اور قریش کے شریف خاندان اور معزز قبیلہ میں سے تھیں، شادی کی، یہی وہ مقدس شادی تھی جس کے لئے عرب کی صدہا عورتیں تمنا رکھتی تھیں۔ نیز اس شادی کی آرزو میں ناکام ہو کر کئی عورتوں نے خودکشی بھی کر لی تھی؛

فاطمہ بنت مُرا جو ایک یہودیہ کاہنہ عورت تھی، کی حکایت مشہور ہے۔ کہ اُس نے حضرت عبداللہ سے تمنائے نکاح کی؛ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ مگر جب حضرت آمنہ کے نکاح کے بعد حضرت عبداللہ نے فاطمہ سے رغبت کی۔ تو فاطمہ نے اِنکار کر دیا۔ اور صاف کہدیا۔ کہ اے عبداللہ میں نے اپنے علم کے زور سے پہچانا تھا۔ کہ نبیٔ آخرالزمان کا نُور تمہاری پیشانی میں جلوہ گر ہے اور اُس کی تمنا میں مَیں نے تم سے خواہش کی تھی۔ کہ نکاح ہو سو آج وہ نور تمہاری پیشانی میں چمکتا نظر نہیں آتا۔ آہ یہ بی بی آمنہ کی قسمت تھی۔ یعنی حضرت بی بی آمنہ حاملہ ہو چکی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ نے تجارت کی غرض سے یثرب جو

جو بعد میں مدینہ منورہ کے نام سے مشہور ہوا) کی طرف سفر کیا۔ اور اس سفر میں آپ کو سفر آخرت بھی پیش آیا۔ اور بنی نجار کے وار تبعیہ میں مدفون ہوئے ؛

بی بی آمنہ اپنے پیارے شوہر کی وفات کے صدمے کی وجہ سے نہایت غمگین اور سوگوار رہتی تھیں۔ لیکن آپ کی تسکین دل کے لئے خدائے تعالےٰ نے آپ کو ایک خواب دکھایا۔ کہ روحانی فرشتہ اُن سے کہہ رہا ہے کہ تو تو خیر العلمین سے حاملہ ہے سو جب وہ پیدا ہو۔ تو اس کا نام محمد رکھیو۔ اور اُس کی شان کو چھپا ئیو!

اس خواب کے دیکھنے کے بعد بی بی آمنہ تمام رنج و غم بھول گئیں۔ اور اپنے دل کے سرور آنکھوں کے نور کی امید میں ایک ایک دن مسرت و راحت سے گزارتی تھیں اور اپنے رویائے صادقہ کی تعبیر حسنہ کے ظہور کی منتظر رہتی تھیں۔ وضع حمل سے پہلے آپ نے ایک اور خواب دیکھا۔ آپ کے وجود مبارک سے ایک نور پیدا ہوا ہے۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں؛

غرضیکہ ۱۲۔ ربیع الاول بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق مطابق ۲۸۔ اگست ۵۷۰ء عیسوی میں واقع عام الفیل[۱] سے ۵۵ روز بعد دعائے خلیل، نوید مسیحا، اندھوں کو بینائی بخشنے والا؛

[۱] حضرت محی الدین ابن عربی فتوحات مکی میں اس واقعہ کا بیان سورہ فیل میں یُوں فرماتے ہیں اصحاب

بہروں کے کان کھولنے والا۔ گنگوں پر اسرارِ معرفت جاری کرنے والا۔ مُردوں کو جلا دینے والا، اسیروں کو چھڑانے والا ؛

فیل کا ایک مشہور قصہ ہے۔ جو عہد رسول اللہ کے نزدیک واقعہ ہُوا تھا۔ یہ اللہ کی قدرت کا ایک نشان تھا۔ اس کے غصہ کا اُس پر جس نے کہ کعبۃ اللہ کو مسمار کرنا چاہا تھا۔ چونکہ وحوش وطیور اپنی بناوٹ میں انسان سے بہت سادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان کی نسبت اُنکو جلد تر الہام ہوتا ہے۔ سنگریزوں میں جو خاصیت اللہ تعالٰے نے ڈالی ہوئی ہے۔ اس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا۔ پس جس کو حکمت کے ذریعہ سے قدرت کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ ایسے واقعات کا سبب پہچان جاتا ہے۔ مولوی محمد بخش صاحب مرحوم ممبر عمارت افغانستان ایڈیٹر رسالہ العلم لاہور ابن عربی رہ کے مجمل بیان کی تفسیر سائنس کے ذریعہ سے اس طرح کرتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کی ضرب میں ایسی شدید طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کے صدمہ سے ہاتھی وغیرہ ہلاک ہو جائیں۔ اور اگر قرآن مجید میں یوں ذکر ہوتا۔ کہ دو دو چار چار سیر کے پتھر آسمان سے سیمرغوں نے پھینکے جن کی ضرب سے ہاتھیوں کی ہلاکت وقوع میں آئی۔ تو اس بات کو موٹی عقل کے آدمی بھی مان لیتے۔ اور کسی کو اس آیت کے معنے بیان کرنے میں اصحاب فیل کی ہلاکت کے لئے چیچک کی بیماری کا خیال تک نہ آتا۔ چونکہ قادرِ مطلق نے اپنی قدرت کا کمال دکھانا تھا۔ کہ اصحاب فیل تو ہاتھیوں کا لشکر ابرہ لے کر کعبہ منہدم کرنے کے لئے آئے تھے۔ اللہ تعالٰے نے ان کو چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کی ضرب سے ہلاک کرا دیا۔ اس قصہ کا اصل واقع یوں ہے۔ کہ جب حبش کے عیسائی بادشاہ نے کعبہ کی عزت پر حسد کیا۔ اور یہ چاہا کہ لوگ سال بسال حبشہ کے کلیسا میں آیا کریں۔ تو ہاتھیوں کا جیش کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جب یہ لشکر صدر حرم کعبہ میں پہنچا۔ تو پرندوں نے ان پر الہام الٰہی سے سنگریزوں کی بوچھاڑ کی۔ جن کی ضرب کے صدمہ سے اصحاب فیل وغیرہ معہ ہاتھیوں کے پاش پاش ہو گئے۔ چونکہ اس واقعہ میں ہاتھیوں کی ہلاکت کا باعث سنگریزوں کے گرنے سے ہوا ہے

شرک و کفر مٹانے والا، بیواؤں کا حامی یتیموں کا والی، غلاموں کا مولی، دنیا کا شفیع، عالم کا مصلح۔ اور سچا نجات دہندہ یعنے حضرت سیدنا وسیدالانبیاء محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ؎

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ مُحَمَّدٍ وبارِكْ وَسَلِّمْ

اس لئے یہاں سائنس کا وہ حصہ بیان کیا جاتا ہے جس میں جسمی حرکت صدمہ کا بیان ہو جسم وہ شے ہے جس میں عرض طول عمق ہو۔ حرکت جسم نقل مکان کو کہتے ہیں۔ مقدار حرکت، جس حساب سے جسم ہر لحظہ حرکت کرتا ہے۔ صدمہ، جسم، جسم کے وزن کی تعداد ضرب فی لحظہ رفتار۔ جسم حرکت تمام تین قسم کی ہوتی ہے۔

اول حرکت علے سبیل التادی یعنے جس میں شے متحرک ایک معین رفتار پر ہر ایک سکینڈ حرکت کرتی رہے۔ مثلاً پہلے سکینڈ میں ایک ناسو فٹ کی مسافت سے کرے۔ تو ہر ایک لحظہ میں سو سو فٹ کی مسافت طے کرتی رہے ؎

دوم حرکت علے سبیل النقصان یعنے شئے متحرک اپنی رفتار میں کسی مقرر مقدار پر ہر لحظہ کمی کرتی جاوے مثلاً پہلے لحظہ میں بحساب سو فٹ فی لحظہ مسافت طے کرے اور دوسرے میں نوے اور تیسرے میں اسّی، اسی طرح ہر ایک لحظہ میں دس دس فٹ اپنی رفتار میں کمی کرتی جاوے ؎

سوم حرکت علے سبیل الزیادت یعنے شے متحرک اپنی رفتار میں زیادتی پیدا کرے مثلاً پہلے سکینڈ میں سو فٹ چلے۔ تو دوسرے لحظہ میں ایک سو دس فٹ

ہاں۔ ہاں یہ وہی تو نبی برحق اور پیغمبر آخر الزمان وسید المرسلین ہے۔ جو آسمانی کتابوں میں حضرت خلیل اللہ کی دعا اور حضرت موسئے کلیم اللہ کا مثیل، حضرت داؤد کا پہلوان، حضرت سلیمان

اور تیسرے میں ۱۲۰ فٹ، اسی طرح ہر ایک لحظہ میں دس دس فٹ کی اپنی رفتار میں زیادتی پیدا کرتی جاوے۔

اب یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ چھوٹی شے کی ضرب کا صدمہ بڑی شے کی ضرب کے صدمے سے کس طرح برابر یا زیادہ ہو جاتا ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ شے کے وزن کو اس کی فی لحظہ رفتار میں ضرب دیں۔ تو اسی کا حاصل ضرب صدمہ اسی شے کا ہوتا ہے۔ مثلاً ہم ایک من وزنی شے اگر ایک فٹ فی سیکنڈ کے حساب سے حرکت دیں۔ تو اس کے صدمہ کی مقدار برابر ایک یعنی ایک من کے ہوگا۔ ۱ من - ۱ فٹ - ایک من مقدار صدمہ پھر اگر ایک تولہ بھر وزنی شے کو بحساب ۳۲۰۰ فٹ فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت دیں۔ تو اس کے صدمہ کی مقدار بھی ایک من کے برابر ہوگی۔ مثلاً ایک تولہ وزنی سے × ۳۲۰۰ فٹ فی سکنڈ رفتار = ۳۲۰۰/۸۰ = ایک من مقدار صدمہ۔ اب اس عمل سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ صدمہ کی شدت زیادتی سرعت رفتار شے پر منحصر ہے۔ نہ فقط وزن شے پر۔

پھر دیکھئے کہ اگر ایک تولہ وزنی شے کو ۱۴۰۰ فٹ سیکنڈ کے حساب سے حرکت دیں تو اُسکے صدمہ کی شدت کا مقدار ۲۰ من ہوگا۔ یہی سبب ہے۔ کہ جو بندوقیں ہاتھی وغیرہ کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ اُن کی گولی کا وزن ۸۰۰ گرین یعنے ۲½ تولہ اور اُن کی رفتار فی سیکنڈ ۱۳۵۰ فٹ کے حساب سے ہوتی ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔

یہ باتیں تو محض آج کل کے انگریزی خوانوں کے عقیدے کے مطابق سمجھانے کے لئے لکھی گئی ہیں۔

ورنہ ایک صادق العقیدہ مسلمان جس کا قرآن مجید پر ایمان ہے اسکو قرآن مجید کی کھلی کھلی آیات کے ہوتے ہوئے ایسی تاویلوں کے استدلال کی ضرورت نہیں۔

کا محبوب محمدیم۔ حضرت حبقوق کا قدوس، حضرت یوشعؑ نبی کا ستودہ برگزیدہ حضرت یحییٰ کا حمدث (احمد) حضرت عیسےٰ کا فارقلیط (احمد) کہلاتا رہا ہے۔ جو کہ وہ سینا سے نکلنے۔ سعیر سے چمکنے۔ فاران سے ظاہر ہونے والا بیابان (مکہ) میں ابوقبیس پہاڑ کے مغرب ... کی طرف تجلی طور یا خدا کا نور ہو کر چمکا۔

ان تمام باتوں کی اس نبیؐ نے خود بھی تصدیق فرمائی ہے۔ حدیث کی کتاب شرح السنہ میں ارباض ابن ساریہ سے منقول ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا۔ کہ تم کو میں اپنے حال سے مطلع کروں۔ میں دعا ہوں۔ ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسےٰ کی۔ اس حدیث نے مرزائیوں کی اُن تمام تاویلوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ جو وہ اسمہٗ احمد والی آیت متعلق کیا کرتے ہیں۔ اور خواب ہوں اپنی والدہ کا جس نے میرے پیدا ہونے کے زمانہ میں دیکھا تھا۔ کہ اُس سے ایک نور پیدا ہوا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ گو بظاہر سنہ ۱ھ میں پیدا ہوئے لیکن درحقیقت دنیا بھر میں جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی۔ وہ آپ ہی کا نور تھا۔ چنانچہ بحر الحقائق میں لکھا ہے۔ کہ حضرت صلعم کا نام مبارک جو نور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے جو چیز باری تعالےٰ نے سبب نورِ قدم کے ظلمت کدۂ وجود میں لایا وہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نور تھا جیسے کہ خود آپ نے فرمایا کہ اول ما

خلق اللہ نوری اور آپ کے اسم نور ہونے کا ثبوت قرآن مجید میں اس طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ؁

انوار محمدیہ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے جناب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے کیا شے پیدا کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔ اور یہ نور جہاں جہاں، اللہ نے چاہا پھرتا رہا وغیرہ وغیرہ؁

حدیث شریف میں آیا ہے کہ میں پروردگار عالم کے روبرو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے ایک نور تھا۔ ایک مرتبہ جبرئیل امین سے آپ نے اُن کی عمر دریافت فرمائی۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ مجھ کو اس کے سوا اور کچھ خبر نہیں۔ کہ حجاب چہارم میں ایک ستارہ بعد ستّر ہزار سال کے نکلتا ہے۔ میں نے اُس کو بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم کھا کر فرمایا۔ کہ وہ ستارہ میں ہُوں۔ یہ روایت کتاب المنتشر لغایا میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرقوم ہے۔ غرضیکہ حبیب پاک کی پیدائش سے قبل عرب میں اکثر قحط رہا کرتا تھا۔ مگر جس سال آپ مگر جس سال آپ پیدا ہوئے۔ نہایت اچھی بارانِ رحمت ہوئی =

چنانچہ حضرت کی پیدائش کے باعث اس سال کا نام ہی سنتہ الفتح والابتہاج یعنی فتح اور خوشی کا سال ہوگیا۔

حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر مختون پیدا ہوئے۔ اور جناب کی پشت مبارک پر دونو شانوں کے درمیان آپ کی پھوپھی صاحبہ نے ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح مہر نبوت دیکھی۔ مگر اُس مہر نبوّت کی صورت ظاہرہ کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ بطور لہسن سیاہ نشان تھا۔ اُسی کو صحابۂ کرام مُہر نبوت کہتے تھے۔ جس کا ذکر یوشع نبی کے صحیفہ باب ۹) میں اس طرح پر ہے کہ ہمارے لئے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ حکمرانی کا نشان اُس کی پشت پر ہوگا۔ اور اُس کا ارمن نے جو بائیبل کا ترجمہ ۶۶۶ئہ میں کیا ہے۔ اُس میں یہ لکھا ہے۔ کہ اُس کی سلطنت کا نشان اس کی پیٹھ پر ہوگا اور اُس کا نام احمد ہے۔

روایت ہے کہ جب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ نے عبد المطلب یعنی حضرت کے دادا کو اطلاع کرائی۔ عبد المطلب یہ خوشخبری سُنکر فوراً وہاں آئے۔ اور اپنے پوتے کو اٹھاکر کعبتہ اللہ میں لے گئے۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد آپ کی درازئ عمر کی دعا کی اور پھر واپس لاکر بی بی آمنہ کے سپرد کر دیا۔ حضور علیہ السلام کو چند روز تک بی بی ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ ثوبیہ حضرت

صلعم کے چچا ابولہب کی لونڈی تھیں۔ کہتے ہیں کہ ابولہب ایک دن ایک مجلس عیش وطرب میں محو تھا۔ کہ اس کی ایک لونڈی نے آکر اسے یہ خوشخبری سنائی۔ تمہارے بھائی کی یادگار تمہارا بھتیجا پیدا ہوا ہے۔ یعنی بی بی آمنہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ ابولہب اس خبر سے اس قدر خوش ہوا۔ کہ اس لونڈی کو اسی وقت آزاد کردیا۔ مگر کیا معلوم تھا۔ کہ بعد میں یہی ابولہب اپنے بھتیجے کا جانی دشمن ہو جائے گا۔ لیکن خداوند تعالےٰ کو ابولہب کے خوش ہو کر لونڈی کو آزاد کر دینے کا فعل اس قدر پسند آیا کہ تمام سال تو ابولہب دوزخ میں جلتا رہتا ہے۔ مگر جب ۱۲ ربیع الاول یعنے اس کے محبوب کی پیدائش کا یوم مبارک آتا ہے۔ تو اس روز ابولہب پر بھی آتش دوزخ سرد ہو جاتی ہے۔

بلکہ جنت الفردوس کی ہوا بھیج کر ٹھنڈک پہنچائی جاتی ہے اللہ اللہ ایک کافر پر تو اس خوشی کے بدلے میں اس قدر انعامات ہیں۔ بھلا عاشقانِ رسول پر یوم ولادت باسعادت کی خوشی کرنے پر کیا کیا انعامات نہ ہوں گے۔ بھلا وہ کون بدقسمت مسلمان ہے۔ جو حضور کی ولادت دن اظہار مسرت نہ کرے۔

ولادت کے ساتویں روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے

دادا صاحب نے عقیقہ یعنے قُربانی کی۔ اور اکثر مُعززین قریشیں کو دعوت میں مدعو کیا۔ اور حضور علیہ السلام کے نام رکھے جانے کی خوشی میں جلسہ منعقد کیا۔ اور حضور کی والدہ ماجدہ کے خواب کی بنا پر حضُور کا نام محمد اور احمد رکھا گیا +

پرورش

شرفاء مکہ کا دستور پرورش تھا۔ کہ آب و ہوا کے خیال سے اور اِس لحاظ سے بھی کہ بچوں کی زبان میں غیر زبان کا دخل نہ ہو جائے۔ دوُدھ پلانے والی عورتوں کے سپرد کر کے باہر دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اسی رسم کے مطابق حضور صلعم کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سُپرد کیا گیا۔ اور وہ حضُور کو اپنے گھر لے گئی۔ ہر چھٹے مہینے حضرت صلعم کو لاکر بی بی آمنہ سے ملا جایا کرتیں۔ دو سال کے بعد حضور علیہ السلام کا دوُدھ چھڑایا گیا۔ اور حضرت حلیمہ حضور صلعم کو لے کر بی بی آمنہ علیہا السلام کے پاس آئیں مگر حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ مکہ کی آب و ہوا حضور کے ناموافق ہے۔ آنحضرت کو پھر بی بی حلیمہ کے سپرد کر دیا

لیکن جب حضورؐ چار سال کے ہوئے تو حضرت آمنہ نے اپنے بیٹے کو اپنے پاس بلا لیا۔ مناسب ہے۔ کہ اس موقع پر حضورؐ کا نسب نامہ درج کیا جائے ۔

نسب نامہ

نمبر شمار	نام بزرگ سلسلہ	نمبر شمار	نام بزرگ سلسلہ	نمبر شمار	نام بزرگ سلسلہ
۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۳	عیسیٰ	۲۵	عفی
۲	حضرت اسمٰعیل علیہ السلام	۱۴	حسان	۲۶	ماحی
۳	قیدار	۱۵	عنقار	۲۷	ناصور
۴	عوام	۱۶	ارعو	۲۸	قاحج
۵	عوص اوّل	۱۷	بلخی	۲۹	کاسج
۶	مہر	۱۸	بجری	۳۰	بدلان
۷	سحابے	۱۹	ہری	۳۱	یلدارم
۸	زراخ	۲۰	لیئن	۳۲	حمدا
۹	ناجب	۲۱	حمران	۳۳	ناہیل
۱۰	معصر	۲۲	الرعاء	۳۴	ابی العوام
۱۱	ایہام	۲۳	عبید	۳۵	متاویل
۱۲	انتاد	۲۴	عنف	۳۶	یردہ

۳۷ عوص دوم
۳۸ سلاماں اول
۳۹ الیصع اول
۴۰ اود اول
۴۱ علان اول قبل مسیح ۶۰۰
۴۲ معد اول قبل مسیح ۵۱۸ سمعص
ارسبانبی
۴۳ حمل
۴۴ نابت
۴۵ سلاماں دوم
۴۶ الیسع دوم
۴۷ الیسع
۴۸ اود دوم
۴۹ ام
۵۰ عدنان دوم

۵۱ معد ثانی
۵۲ نزار
۵۳ مضر
۵۴ الیاس
۵۵ مدرکہ
۵۶ خزیمہ
۵۷ کنانہ
۵۸ النضر
۵۹ مالک
۶۰ فہر
۶۱ غالب
۶۲ لوی
۶۳ کعب
۶۴ مرہ
۶۵ کلاب

۶۶ قصی
۶۷ عبدالمناف
۶۸ ہاشم
۶۹ عبدالمطلب
۷۰ عبداللہ
۷۱ **محمد**

محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

اللھم اغفر لکاتبہٖ مولوی غلام محی الدین قریشی مڑیکے تحصیل وزیرآباد تعلم خود

جس وقت حضور علیہ السلام کی عمر ۶ سال کی ہوئی۔ تو حضور کی والدہ آپ کو اپنے خویش و اقارب سے ملانے کے لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ لے گئیں اور کچھ وقت وہاں وہاں قیام پذیر رہیں۔ اور پھر جب مکہ معظمہ کو واپس تشریف

لائیں۔ تو راستہ میں بمقام ابواز انتقال کیا۔ اللہ اللہ کیا اسرار قدرت تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کا دُرِّ یتیم مکہ معظمہ میں پہنچا۔ تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لی۔ اور ہمیشہ آن حضرت کے ساتھ شفقتِ بزرگانہ اور نہایت محبت سے پیش آتے رہے ۔

اور جب حضور علیہ السلام ۸ سال ۲ ماہ ۱۰ یوم کے ہوئے تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی ۸۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس دُرِ یکتا کی پرورش آپ کے حقیقی چچا ابو طالب نے شروع کی۔ ابو طالب ایک بہت بڑے کنبے والے آدمی تھے۔ اور ان کو روزانہ زندگی کی ضروریات نہایت دِقّت سے میسّر آتی تھیں۔ مگر خداوند تبارک وتعالٰے نے اپنے محبوب پاک کے صدقے میں اُن کے رزق میں برکت ڈال دی۔ جناب ابی طالب بھی آپ کے ساتھ نہایت مانوس تھے اُس دُرِ یتیم کے ایّام طفلی میں ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں بہت سخت قحط پڑا۔ تو حضور علیہ السلام کے چچا ابو طالب آپ کو اپنے ساتھ کعبہ میں لے گئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں بارانِ رحمت کے لئے دعا کی۔ اور ایک قصیدہ بطور مناجات جو آپ نے اسی موقع کے لئے لکھا تھا۔ پڑھا۔ جس کا ایک شعر معہ ترجمہ کے ذیل

یوں درج ہے

ابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتمیٰ عصمۃ للارامل

یعنی محمدؐ ایسا گورا رنگ ہے۔ جس کی برکت سے پانی مانگا جاتا ہے۔ جو جائے پناہ ہے یتیموں کی اور عصمت ہے بیوہ عورتوں کی:

یہ شعر ایک طرف تو ابو طالب کی زبان سے نکلا۔ اور دوسری طرف خدا کے حبیبؐ نے اپنے نازک اور ننھے ننھے ہاتھوں کو نہایت بھولے پن سے دعا کے لئے اٹھایا۔ یہ نظارہ قدرت کو کچھ ایسا پسند آیا۔ کہ اسی وقت آسمان پر ابرِ رحمت نے نمایاں ہو کر اپنی بارش کے آغوش میں چچا اور بھتیجے دونوں کو لے لیا۔ اور یہاں تک موسلا دھار مینہ برسا کہ تمام ملکِ عرب سیراب ہو گیا۔ قحط کے آثار معدوم ہو گئے۔ اور چاروں طرف خوشی ہی خوشی کا دور دورہ ہو گیا:

میں نہیں سمجھتا۔ کہ اکثر لوگ حضور علیہ السلام کے چچا ابو طالب کو کافر بنانے کے لئے کیوں زور دیتے ہیں۔ کیا حضور علیہ السلام کے ساتھ اس قسم کی محبت کرنے والا شخص اور جناب باری میں ایسے پاکیزہ کلمات استعمال کرنے والا بزرگ بھی کبھی کافر ہو سکتا ہے

میرے خیال میں مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وہ جناب ابو طالب کے کفر پر زور دینے کی بجائے خاموش ہی رہیں۔ تو اس میں اُن کا کیا حرج ہے

اگر قیامت کے دن ابو طالب کا کفر ثابت نہ ہوئے۔ تو آپ کو کافر کہنے والے کیا منہ دکھائیں گے۔ بہتر ہے۔ کہ زبان کو لفظِ کفر استعمال کرنے سے روکیں۔ اور میں نہیں سمجھتا۔ کہ اُن کو ضرور ہی کافر بنانے سے مسلمانوں کو کیا حاصل ہوگا؟

سفر شام

چچا بھتیجے میں اس قدر گہری محبّت تھی۔ جس کا کما حقہٗ بیان کرنا مشکل ہے۔ جس وقت حضور علیہ السلام کی عمر شریف ۱۲ سال ۲ ماہ ۱۰ دن کی ہوئی۔ تو آپ کے چچا جناب ابو طالب کو سفر شام پیش آیا۔ حضور علیہ السلام نے اس جدائی کے صدمے کو محسوس کیا۔ اور اُداس ہو گئے۔ اور اپنے پیارے چچا کے گھٹنوں سے لپٹ گئے۔ بھلا چچا کو بھی اپنے پیارے بھتیجے کی جدائی کب گوارا تھی۔ چنانچہ جناب ابوطالب نے اس سفر میں اپنے بیٹوں تک میں سے کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ مگر حضور علیہ السلام کو ضرور ساتھ لے گئے۔ جب شام کے شہر بصرہ میں پہنچے۔ تو وہاں ایک کلیسا میں قیام فرمایا۔ وہاں کا بہت نامی گرامی ایک پادری توراۃ و انجیل کا فاضل اور نبی آخر الزماں کی

بعثت کا منتظر اور آپ کی علامات مہر نبوّت وغیرہ سے خوب واقف تھا۔ اس نے جب حضور کی طرف بنگاہ تعمّق دیکھا۔ تو آپ کی عظمت وشان کو جو منصب رسالت ونبوت کے لحاظ سے آئندہ پیدا ہونے والی تھی۔ فوراً بھانپ گیا۔

اُس نے اس قافلہ کی محض حضور علیہ السلام کی خاطر دعوت کی۔ اور آپ کے چچا کو فہمائیش کی۔ کہ اپنے بھتیجے کو شام میں نہ لے جاؤ۔ ایسا نہ ہو۔ کہ قوم یہود جو ہمیشہ سے صادقوں کی دشمن اور نبیوں کی تکلیف اور ایذادہی کے لئے ہمیشہ حسد وعداوت کی عادی ہے۔ ان سے بھی کوئی بدسلوکی کرے اور حضور علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ کہ یہ لڑکا ملک کو آزاد کرنے والا اور نجات دینے والا خدا کا رسول رحمت للعالمین اور ختم المرسلین ہوگا۔ اس راہب نے اپنا ایک کشف بھی بیان کیا۔ کہ میں نے عالم کشف میں دیکھا۔ کہ جس راستہ سے یہ لڑکا آرہا تھا۔ تمام شجر وحجر اُس کے سامنے سربسجود ہیں۔ اس نبی کی صفت ہم اپنی کتابوں میں لکھی پاتے ہیں۔ اور ابو طالب سے پھر کہا۔ کہ اسے شام میں مت لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابوطالب نے وہیں سے آپ کو مکّہ کی طرف روانہ کر دیا۔

اس سفر شام اور حضور علیہ السلام کی ذہنی حالت اور دماغی کیفیات کے متعلق سر ولیم میوؔر لکھتے ہیں۔ کہ ۔۔۔۔

"زمانہ کے منہدم اور اُجڑے ہوئے مقاموں کے خیالی

قصوں اور عجیب و غریب بیانوں اور گرجاؤں کو صلیبوں اور صورتوں اور دینی علامتوں سے آراستہ کرنے اور گھنٹوں کے بجنے کی قومی رسموں نے محمد صلعم کے خوض کنندہ دل و دماغ پر گہرا نقش اور پائیدار اثر کر دیا تھا ÷

سر ولیم میئور صاحب کی مراد ان الفاظ سے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حالات اور واقعات آئندہ ہم کو صاف بتا رہے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنی عقل خداداد سے جو رائے قائم کی۔ وہ یہی تھی۔ کہ بتوں کی پرستش اور عقیدۂ تثلیث محض مشرکین کی خیالی ایجادیں ہیں۔ اور گھنٹی و ترئی وغیرہ عبادت خانوں اور گرجاؤں کے باجے۔ لا یعنی چیلے اور بے معنی آوازیں ہیں۔ کیونکہ وحی سے پیشتر حضور علیہ السلام کا عبادت غیر اللہ کرنا۔ اور دیگر مشرکین کی عبادت گاہوں کو واجب التعظیم سمجھنا یا اُن کے متعلق باجوں کو مقدس باجے خیال کرنا۔ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

دنیا کے منہدم اور اُجڑے ہوئے مقاموں سے حضور علیہ السلام نے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ اُجڑے ہوئے مقاموں سے قہر خداوندی کے آثار نمایاں ہیں۔ جو دُنیا میں کفرانِ نعمت الٰہی کا انجام ہے۔ یا جہالت و بے دینی کا آخری نتیجہ چنانچہ ڈاکٹر نیگر صاحب اپنی کتاب سیرتِ محمدی کے صفحہ ۲۹ میں

آپ کے انبیائی خیالات کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کے (یعنی محمد صلعم) کے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا دن کو نکلتے ہوئے آفتاب، برستے ہوئے پانی، اور اُگتی ہوئی روئیدگی میں خدا کی قدرت نظر آتی تھی۔ اور بجلی کی کڑک پانی کی آواز اور پرندوں کے نغموں میں خدا ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور سنسان جنگلوں میں اور پرانے کھنڈروں میں خدائی قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

پس حضور علیہ السلام کے خوش کنندہٗ دل و دماغ میں سلسلۂ خیالات کو بھی وہی قدرتی تربیت ایک خاص کیفیت کے اندر محدود کرکے آپ کے موحدانہ خیالات کو اور سب خیالات پر غالب کر دیتی تھی۔

چونکہ حضور علیہ السلام کی خود فطرت ہی زمانۂ نزولِ وحی سے پیشتر بطور رہبرِ کامل آپ کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اسی لئے آپ کی نظروں میں کبھی کسی مذہب مروجۂ ملک عرب کی عظمت و بزرگی نہیں سمائی۔ اور نہ آپ نے عبادت غیر اللہ کو اپنے آپ پر فرض خیال کیا۔ اور ہمیشہ اپنی بلند خیالی سے عقاید اور طریق عبادت مشرکین کو جہالت اور نادانی کی حرکت ہی سمجھتے رہے۔ اور آپ کا دل معبود حقیقی کا جویا اور راہِ حق کا متلاشی رہا۔ اسی بنا پر آپ نے اپنا طریق عمل یہ اختیار کیا

کہ نہ لات سے غرض نہ منات کی پروا۔ نہ ہُبل سے کبھی کسی قسم کی التجا کی۔ سیدھا نیچی گردن کئے کعبہ میں چلے جانا اور مقام ابراہیم میں نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے معبود حقیقی کا تصور باندھ کر عبادت کرنا آپ کا معمول تھا۔

حضور علیہ السلام کا مذہبی خیال وحی نازل ہونے سے پہلے جو کچھ تھا۔ وہ یہی تھا۔ اور حضور علیہ السلام نے باقتضائے فطرت اپنا طرزِ زندگی اور اوقات بسری یہ اختیار کیا کہ ابتدا میں بی بی حلیمہ اور حضرت ابوطالب کے یہاں بکریوں کی چرائی کے ذریعہ آپ نے بعد میں کچھ بھیڑیں اور بکریاں خاص مملوکہ پیدا کر لیں۔

اور اُن میں خداوندِ عالم نے مثلِ مویشی حضرتِ ایوب علیہ السلام کے بہت کچھ برکت دی۔ پھر حضور علیہ السلام اپنے مواشی کی پیداوار سے اپنی گزرِ اوقات کرنے لگے۔ اور اسی پیداوار سے آپ سائل کے سوال کا جواب دیتے۔ اور یتیم بچوں کی پرورش اور بیوہ عورتوں کی خبر گیری فرماتے۔

◆ ◆ ◆

حضور علیہ السلام کا نکاح

حضور علیہ السلام نے عالم شباب میں قدم رکھا - تو آپ
اُن تمام حرکات سے جو جوانوں میں خلافِ تہذیب
پائی جا سکتی ہیں - بالکل منزّہ اور پاک تھے - آپ اپنی
قوم میں صدق و امانت و دیانت اور جملہ صفات پسندیدہ
اور اخلاق حمیدہ سے مشہور و معروف ہو گئے - قریش
آپ کو کھیل تماشوں کی محفلوں میں مدعو کرتے - لیکن آپ
ہرگز شامل نہ ہوتے - اور تمام قریش کو آپ کے صدق
و امانت کا یہاں تک اعتراف تھا - کہ آپ کے نام محمد
کے ساتھ امین کا لفظ شامل ہو کر محمدؐ امین ہی
نام ہو گیا ؛

یہ عجیب اور فی الحقیقت ایک بے نظیر بات ہے -
کہ آپ اپنی قوم کے اندر ابتداء میں امین اور مامون
پکارتے جاتے تھے - چنانچہ کفارِ عرب کے وہ اشعار جو
انہوں نے ظہورِ نبوت کے بعد آپ کی ہجو میں لکھے ان

میں برابر امین اور مامون آپ کا لقب موجود ہے ؛
کل قوم آپ کو مصیبت و مشکل کے وقت ملجا و ماوی سمجھتی تھی۔ پیر و جوان آپ کو ایسی عزت عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کہ عرب کے تاریخدان پڑھکر حیران رہ جاتے ہیں۔ وہ قوم جس کا پیشہ ہی عیوب گیری اور قبائح شماری ہے۔ بچپن ہی سے آپ کو صادق و امین کے لقب سے پکارتی ہے۔ بعثت کا زمانہ ابھی دور ہے۔ الٰہی جلال کے ساتھ تبلیغ رسالت کرنا۔ ابھی مرحلوں پر ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ کہ اس ابن عبد اللہ بن عبد المطلب کے مدارج کیا ہوں گے۔ مگر صادق و مصدوق اور امین و مامون ابھی سے خطاب دیئے جا رہے ہیں۔ یہ بھی ایک بہت بڑا اعجاز ہے۔ کہ عالم جوانی میں آپکے دامنِ عصمت پر کبھی کسی اخلاقی یا قومی عیب کا ذرا بھی دھبہ نہیں لگا۔ حضور علیہ السلام راستبازی اور تدین میں یہاں تک مشہور و معروف تھے۔ کہ اکثر اہل مکہ بیش قیمت چیزیں آپ کے پاس امانت رکھا کرتے۔ اور کسی جگہ سفر میں جاتے۔ تو اپنا مال و اسباب آنحضرت صلعم کے پاس امانت رکھ جاتے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی اسی خوش اخلاقی اور راستبازی وغیرہ وغیرہ صفات حسنہ پر گرویدہ ہو کر حضرت بی بی خدیجہ رضہ

نے جو بہت مالدار معزز قبیلہ قریش میں سے تھیں۔ آپ کے ساتھ نکاح کیا۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنے تمام اثاث البیت اور کارخانوں کا مالک بنا دیا۔

جس وقت حضور علیہ السلام کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ نکاح ہوا ہے۔ اُس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال ۲ ماہ ۱۰ یوم تھی۔ حضور علیہ السلام نے نکاح سے قبل اپنے مربی و محسن چچا حضرت ابی طالب کی ضروری اجازت اور رضامندی حاصل کر لی تھی۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے دوسرے بزرگان نسبی کو بھی رضامند کر لیا تھا۔ کیونکہ اِس مقدس اور مبارک نکاح کے بعد جو ولیمہ ہوا۔ اُس میں تمام عمائد قریش اور بالعموم خاندانِ بنی ہاشم کے چھوٹے بڑے شامل تھے۔ جنہوں نے حضرت ابو طالب کو نہایت مسرت سے مبارکباد دی۔

شادی کے بعد حضور علیہ السلام نے مکہ میں ہی اپنا کاروبار تجارت شروع کر دیا۔ اور بلحاظ اُس زمانہ کے تمدن کے حضور علیہ السلام مکہ کے لوگوں میں اعلےٰ پایۂ کے دولتمندوں میں شمار ہونے لگے۔

ایک مرتبہ جبکہ حضور کی عمر شریف ۳۵ سال کو پہنچ چکی تھی۔ تعمیر کعبہ کے موقع پر کعبہ کی چار دیواری میں حجرِ اسود کے نصب کئے پر سردارانِ قریش میں تنازعہ واقع ہو کر گشت و خون تک

نوبت پہنچنے کو تھی۔ کہ تنازعہ کا فیصلہ حضور علیہ السلام نے اس دانشمندی اور خوبی سے کیا۔ کہ بڑے بڑے دانا اور مُدبر دیکھ کر حیران اور دنگ رہ گئے۔ اور آپ کی ذہانت و تدبر اور فہم و فراست پر تحسین و آفرین کہنے لگے ؛

یعنی جب قوموں میں حجرِ اسود کے رکھنے میں اختلاف ہُوا کہ اس پتھر کو کون نصب کرے۔ تو آخر اُن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ جو شخص سب سے پہلے دروازے سے اندر آئے۔ وہی اس کا رکھنے والا ٹھیرے۔ اتنے میں حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے اپنی روائے مبارک فرش پر بچھا دی۔ اور حجر اسود کو اُس میں رکھ کر حکم دیا۔ کہ تمام قوموں کے سردار بالاتفاق اس چادر کو اُٹھائیں۔ اس فیصلہ پر تمام قوم خوش ہوگئی اور کسی کے دل میں بھی پتھر نصب کرنے کی حسرت باقی نہ رہی ؛

ان واقعات اور حالات سے ظاہر ہے۔ کہ جس طرح حضور علیہ السلام اپنی عمر کے ابتدائی حصّہ سیزدہ یا چہاردہ سالہ میں ہی مذہبی معاملات میں صائب الرائے اور اپنے معبودِ حقیقی کی طلبِ معرفت میں عارفانہ خیال اور وسیع النظر اور عالی حوصلہ تھے۔ اسی طرح دنیاوی معاملاتِ تمدن معاشرت میں بھی صاحب تدبیر، معاملہ رس۔ زود فہم، فراخ حوصلہ، جفاکش، صلح کُل، بے غرض عادل، اور منصف مزاج تھے۔ اور یہ سب چیزیں آپ جیسے اولو العزم رسول اور مصلح عالم میں ہونا ضروری ہیں۔ یہ سب فوق العادت باتیں حضور علیہ السلام کی طبیعت

بین تو تھیں ہی۔ مگر ان پر قدرتی تربیت نے اور بھی مجلّہ کردیا جس کی وجہ سے آپ اپنی جاہل اور وحشی قوم کی مذموم خصلتوں اور بدعادات سے مُبرّا اور ایک ممتاز شخص خیال کئے جاکر عرب مبارک القلب صادق وامین سے ملقّب ہوکر مشہور ومعروف ہوئے اسکے علاوہ عرب کے خاص وعام آپ کو قصیّ بن کلاب ثانی اور فخرِ قریش کہتے تھے۔

جب آپ کی عمر ۳۵ سال سے متجاوز ہوگئی۔ تو آپ کو خلوت و تنہائی کی زیادہ رغبت ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ حضور علیہ السلام کا یہ دستور ہوگیا تھا۔ کہ کچھ دنوں کا کھانا لیکر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے۔ اور تنہائی میں خدا کی عبادت کرتے۔ اور اس کی قدرتوں اور صنعتوں میں غور و خوض کیا کرتے۔

ظہورِ نبوّت

جس وقت حضور کی عمر ۴۰ سال ایک یوم کی ہوئی تو حضور کے پاس غارِ حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم خداوندی تشریف فرما ہوئے۔ اور سورۂ علق کی پانچ آیتیں پڑھنے کے لئے کہا۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "تو اپنے اُس عظیم الشان رب کا نام لیکر جس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ اور انسان کو خونِ لبتہ سے بنایا، پڑھ۔ اور تیرا رب بڑا ہی

صاحب کرم ہے۔ جس نے انسان کو قلم کا استعمال سکھایا۔ پھر الہام اور علم لدنی کے ذریعے انسان کو وہ باتیں بتائیں۔ کہ جن کا اُسے علم تک نہیں تھا۔ چنانچہ آپنے یہ آیات پڑھیں اور سب حقیقت و ماہیت کائنات آپ پر منکشف ہوگئی۔ اسی کا نام علم لدُنی ہے ؂

اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا نہایت ضروری ہے۔ کہ حضور علیہ السلام قطعی اُمّی تھے۔ آپ نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی۔ اور نہ ہی کوئی آپ کا ظاہری معلّم و اُستاد تھا۔ دراصل یہ بھی ایک قسم کا اعجاز تھا۔ کہ اُمّی ہونے کے باوجود بڑے بڑے فصحا اور بلغا کی گردنیں آپ کے سامنے خم ہوگئیں۔ ورنہ اگر آپ ظاہری طور پر تعلیم یافتہ ہوتے۔ تو دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا۔ کہ آپ نے قرآن مجید خود تصنیف فرما لیا ہے ؂

حضور علیہ السلام نے جب اسرارِ الٰہی کو دیکھا۔ تو سخت گھبراہٹ کے عالم میں حضرت خدیجۃ الکبرٰی کے پاس آئے اور کہا۔ کہ مجھے تو اپنی جان پر خوف بن گیا ہے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس بن گیا ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آپ کی تسلی کی۔ اور کہا۔ جبکہ آپ عاجزوں کی مدد اور صلۂ رحم کرتے، سچ بولتے، دکھیاروں کا دُکھ برداشت کرتے، مفلس کو دیتے، مہمانوں کی نہ دوسروں کی نسبت بدرجہ احسن مہمان نوازی کرتے۔ اور بھلے کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ تو کیونکر یہ ان

لیا جائے۔ کہ آپ کا وجود معرضِ خطر میں ہے۔ قسم بخدا اللہ تعالےٰ آپ کو ہرگز ضایع اور رسوا نہ کرے گا۔ بلکہ ربع مسکون کے چپہ چپہ میں آپ کا بول بالا ہو کر رہے گا۔

اِس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس (جو توریت و انجیل اور کتب آسمانی کا بڑا فاضل تھا) لے گئیں۔ اُس نے آنحضرت کو خوشخبری دی کہ تمہیں مُژدہ ہو۔ کہ تم ہی وہ نبی آخرالزمان ہو۔ جس کا ذِکر کُتب سابقہ میں ہے۔

اور آپ کی جو بشارات صحفِ انبیا علیہم السّلام میں ہیں اُن میں سے چند پڑھ کر سنائیں۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔ جبکہ تمہاری قوم تم کو وطن سے نکال دے گی اور مکہ سے تم کو ہجرت کرنی پڑیگی۔ پھر واپس مکان پر تشریف لائے۔ اس کے بعد حضرت علیہ السلام پر سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور حضرت جبرائیل نے آپ کو نماز پڑھنے کا طریق سکھایا۔ نماز آپ پر ابتدا ہی میں فرض ہوئی تھی۔ گو اوقاتِ خمسہ کا تعیّن نبوّت کے گیارہویں سال ہُوا۔ اُس کے بعد متواتر حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ اور سورۂ مُزمّل میں آپ کو شب بیدار رہی اور قیامِ لیل کا حکم ہُوا۔ اور سورۂ مُدثر میں اللہ تعالےٰ نے احکامِ الٰہی کی تعمیل کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ

اے بنیؐ تو تعمیلِ احکام کے لئے کھڑا ہو جا۔ اور اپنی قوم کو آنے والے غضب الٰہی سے ڈرا۔ اور اپنے رب کی عظمت اور کبریائی بیان کر۔ اور اپنا لباس پاک صاف رکھ۔ اور ہر قسم کی خباثتِ روحانی و جسمانی سے الگ رہ اور تبلیغ رسالت یا کسی شخص پر احسان اس خیال سے مت کر۔ کہ تجھ کو اس کا عوض ملے۔ اور اپنے رب کے لئے تمام دُکھ جو اُس کے راستہ میں پیش آئیں۔ برداشت کر"

سب سے پہلے عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضور کی نبوت پر ایمان لائیں۔ اور بچوں میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بعمر ۱۰ سال ایمان لائے۔ اور بوڑھوں میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سب سے پہلے اقرارِ نبوت کیا۔ پھر زیدؓ بن حارث اور حضرت بلالؓ مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی ہدایت سے حضرت عثمانؓ۔ زبیرؓ و عبد الرحمٰنؓ بن عوف۔ طلحہؓ۔ سعدؓ بن وقاص مسلمان ہوئے۔ ان کے بعد ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ ابو سلمہؓ۔ ارقمؓ۔ عثمانؓ بن مظعون عبد اللہؓ بن مسعود اور سعیدؓ مسلمان ہوئے۔

ابتدا میں حضور علیہ السلام تین سال تک خُفیہ خُفیہ اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اگرچہ اس خفیہ تبلیغ کے اثر سے بھی اکثر لوگ آپ پر ایمان لے آئے، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ:۔ جو کچھ تجھے حکم ہوتا ہے۔ علانیہ اور صاف صاف بیان کر دے"۔ تو اُس وقت آپ نے علی الاعلان بُت پرستی اور شرک و کفر کی برائیاں بڑے زور شور سے بیان کرتے ہوئے دعوتِ اسلامی سے لوگوں کو نوازنا شروع کر دیا، چنانچہ اس سلسلۂ تبلیغ و رسالت میں آنحضرت صلعم کا جو وعظ ہوتا تھا۔ وہ بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ بڑے اعلیٰ درجے کا مؤثر ہوتا تھا۔ جسے سُنکر بڑے بڑے نامی اور مشہور فصحائے عرب دنگ رہ جاتے۔ اور اِن مواعظِ حسنہ سے متاثر ہو کر اپنے اپنے بستروں پر راتوں کو لیٹے ہوئے توحید اور اصنام پرستی کی پیچیدہ گتھیوں کو سُلجھانے کی کوشش کرتے رہتے۔ جیساکہ مشہور مؤرّخ سر ولیم میؤر صاحب اپنی تصنیف ہسٹری اوف محمّد میں لکھتے ہیں؛ کہ "چونکہ آنحضرت صلعم کو اپنی رسالت کا نہایت قوی اور مضبوط اعتقاد تھا۔ اس لئے آپ کی طرف سے اس دین کی نصیحتوں میں بڑی قوت تھی؛ اور نہایت شِدّت ظاہر ہوتی تھی۔ اور چونکہ فصاحت میں بھی آپ کو کمال تھا۔ لہذا آپ کا کلام عربی زبان میں نہایت خالص اور حد درجہ کا ناصحانہ تھا۔ آپ کے ملکۂ زبان آوری نے روحانی حقیقتوں کو عالمِ تصویر بنا دیا تھا۔ آپ کے زندہ خیالات نے قیامت اور روز جزاء اور نعماءِ بہشت اور عذابِ جہنم کو سامعین کے نہایت قریب تر

بلکہ پیش نظر دکھا دیا تھا۔

معمولی گفتگو میں آپ کا کلام مفصّل اور قوی تھا۔ مگر بہنگام وعظ آپ کی آنکھیں سُرخ اور آواز بھاری اور بلند ہو جاتی تھی۔ اور تمام جسم آپ کا ایسی حالتِ جوش و خروش میں ہو جاتا تھا۔ کہ گویا آپ لوگوں کو کسی غنیم کے آنے کی خبر دیتے ہیں۔ کہ وہ دوسرے روز یا اُسی شب کو اُن پر آن پڑیگا۔ اور جب حضور علیہ السلام پر یہ آیت نازل ہوئی؟

ترجمہ۔ یعنے قریبی رشتہ داروں کو بھی غضب الٰہی سے ڈرا۔" تو آپ نے کھڑے ہوکر اپنے کنبہ کے لوگوں کو نام لے لے کر یوں سمجھایا۔ کہ اے بنی قریش نیکی کرو۔ اپنی جانوں کو عذاب الٰہی سے بچاؤ۔ کوئی چیز تم کو اللہ سے بے پرواہ نہیں کر سکتی۔ اے عباس بیٹے عبد المطلب کے (جو حقیقی چچا حضرت صلعم کی) کوئی چیز تم کو اللہ تعالٰے سے بے پرواہ نہیں کرسکتی۔ اے میری بیٹی فاطمہ مانگ لے۔ میرے مال سے جو تو چاہے لیکن کوئی چیز تجھے اللہ تعالٰے سے بے پرواہ نہیں کر سکتی ایسی میرا رشتہ دار ہونا۔ بغیر نیک اعمال کے تیرے لئے کوئی کام نہ آئے گا؟

اس کے بعد آنحضرت صلعم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو نام بنام پکارا۔ اور جب سب لوگ حاضر ہوئے

تو آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا۔ کہ اے لوگو! اگر میں تم کو اس بات کی خبر دوں۔ کہ پس پشتِ کوہ ایک خطرناک دشمن کا لشکر پڑا ہے۔ اور وہ تم پر حملہ کر کے تم کو قتل کیا چاہتا ہے۔ تو تم اس بات کو یقین کروگے؟ یا نہیں! یہ سُنکر سب نے بالاتفاق کہا۔ کہ ہم ضرور تسلیم کریں گے۔ کیونکہ ہم نے آج تک کبھی تیری زبان سے جھوٹ نہیں سنا۔

اس کے بعد حضور ہادئی اسلام علیہ السلام نے نہایت محبت بھرے اور ہمدردانہ الفاظ میں فرمایا۔ کہ

میں تم کو اُس عذاب الٰہی سے جو تم پر وارد ہونے والا ہے اس کے وارد ہونے سے پہلے ہی ڈراتا ہوں۔

اگر خدا پر ایمان لے آؤ۔ تو وہ غضب الٰہی تم سے ٹل جائیگا۔ ورنہ سب کے سب ہلاک اور تباہ ہوجاؤ گے۔ یہ سنکر سب کفار آپ کو ٹھٹھوں میں اُڑانے لگے۔ اور آپ کے چچا ابولہب نے بہت کچھ بکواس کی۔ اور ساتھ ہی ایک پتھر آپ کی طرف دے مارا۔ اور کہا۔ کہ سارے دن کی تجھے خرابی ہو۔ ہمیں اس بات کے لئے بلایا تھا۔ اور چنانچہ سب کفّار منتشر ہوکر چلے گئے۔ مکّہ معظمہ میں سلسلۂ مواعظِ حسنہ؛

٭ ٭ ٭

اعلانِ توحید

جس وقت حضور علیہ السلام کے دل و دماغ وحیِ الٰہی سے منوّر ہوئے۔ اور آپ تبلیغ رسالت کے لئے مامور من اللہ ہوئے۔ تو آپ کے حکم و حکمت و فطرت میں علمِ الٰہی کے پرتو سے ایک اور صداقت کی روح چمک گئی۔ پھر تو آپ کی حکیمانہ باتیں اور مدبرانہ رائیں آفتاب کی مانند دنیا کو منوّر کرنے لگیں۔ اور اپنی روشن شعاعوں کے اثر سے نوعِ انسان کے دلوں سے بیجا حبِّ دنیا و ظلمتِ شرک کفر و الحاد۔ دہریّت کے آثار مٹانے اور محو کرنے لگے۔ اور علمِ الٰہی کی شعاعیں جن کو وحی کہتے ہیں۔ آپ کے قلب مجلّے پر روز افزوں پرتوِ فگن تھیں۔ اور جو رحم و غضبِ الٰہی اور نعماء بہشت و عذابِ جہنم کا خیالی تصور تھا۔ وہ بدیہی طور پر متشکل ہو کر مشاہدات میں آنے لگا۔ اور آپکے سینۂ فیض و عرفانِ گنجینۂ میں اسرار خفیہ کی نسبت علمِ یقین کا درجہ حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ گیا۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ وہ سکھایا اس کو بڑی طاقت والے نے بڑے جگرے کا کام تھا۔ پس پورا نظر آیا۔ اور اب

وہ اعلےٰ درجہ کا سند یافتہ بلند کنارے پر ہے۔

حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام کو یہ کمالِ علم عطا کئے جانے کے بعد اُس معلمِ حقیقی کا بارگاہ عمدیت سے یہ حکم ہؤا۔
اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی وعظ سے (لوگوں کو) بلا۔ اور اُن سے پسندیدہ طرز سے مباحثہ کر تیرا رب انہیں بھی خوب جانتا ہے۔ جو اس کی راہ سے بھٹک گئے۔ اور وہ راہ پانے والوں کو بھی جانتا ہے۔ جب آپ پر سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ تو آپ نے حسبِ فرمانِ الٰہی اپنے کاروبار دنیاوی کو خیرباد کہا۔ اور مکہ معظمہ (مرکزِ عالم) میں وعظ اور جیسا کہ وحیِ الٰہی کا منشاء ہے تمام جہان کو قیامت تک کے لئے مخاطب فرمایا۔

ترجمہ - اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ تعالےٰ کا رسول ہو کر آیا ہوں ؛

لوگو! تم کو چاہیئے۔ کہ تم سب مل کر نہایت خلوصِ دل سے اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت کرو

حضور علیہ السلام کے بیان میں ہر قسم کے وعظ و مباحثہ کی بنیاد وحی پر تھی۔ یعنی جو کچھ حکم بارگاہ الٰہی سے آپؐ کو پہنچتا تھا۔ وہی لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے۔ اس بیان کا نام حسبِ آیت موصوفہ آپؐ کا وعظ اور مباحثہ ہے ؛

آپ کے وعظ و پند میں توحید کا اعلان شرک کی بُرائی ؛

بتوں کی مذمت، بت پرستوں کی تکذیب، خدائے واحد کا منتقم و منعم حقیقی ہونا، انسان پر اس کے انعامات اور اس کے احسانات کا تذکرہ، ہولناک حادثات اور واقعاتِ زمانہ میں خدا کی شانِ قہاری کا ظہور اور اس کے عدل و رحم کی شفقت کا بیان اس خوبی اور خوش اسلوبی سے ہوتا تھا۔ کہ سامعین ششکر دنگ رہ جاتے۔ اور اس کے تاثرات سے موافق لوگوں میں خوف و رجاء سے ایمانی ترقی کے آثار نمایاں ہوتے۔ اور مخالفین میں ایک تعجب اور تھلکہ بپا ہوتا۔ اور وہ آپ کے بیان فیض ترجمان کو جادو سے تعبیر کرتے۔ ایسی خطرناک بت پرستی اور تمام جہان کے مشرکین و کفار کے خیالِ مشترک کی یکایک مخالفت کر کے ایک تن تنہا شخص (آنحضرت صلعم) کا شرک و بت پرستی کے استیصال کے لئے آمادہ ہونا۔ کچھ آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ یہ وہ مخالفت تھی۔ جس میں حضرت نوح اپنی ساڑھے نو سو سال کی کوششوں میں ناکام رہے۔ یہ وہ مخالفت تھی۔ کہ حضرت ہودؑ اور صالح علیہم السلام اپنی ناکامی پر دست افسوس ملتے رہے۔ اور قوم عاد و ثمود اپنے خیال کی پختگی پر برابر اڑی رہی۔ گو اُن کے آثار تک دنیا سے مٹ گئے۔ یہ وہ مخالفت تھی۔ جس کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے مواحدِ آگ میں ڈالے گئے۔ گو قدرت کے

زبردست ہاتھوں نے اُن کو بچا لیا۔ یہ وہ مخالفت تھی۔ جو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے سخت جہاد اور نمونۂ قہر الٰہی کے مقابل بھی بدستور قایم رہی حتےٰ کہ خود بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی چند روزہ عدم موجودگی میں گوسالہ کی پرستش شروع کردی۔ یہ وہ مخالفت تھی۔ کہ جس نے حضرت داؤد کے وسیع ملک موروثہ میں کبھی امن قایم نہ ہونے دیا۔ اور حضرت ممدوح کی تمام عمر معرکہ آرائیوں میں گزری۔ یہ وہ مخالفت کہ جس کے نتائج کا حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود جن والنس وپری کے حاکم ہونے کے انسداد نہ کر سکے۔ اسی مخالفت نے حضرت زکریا علیہ السلام کے سر پر آرہ چلایا۔ اور یحییٰؑ کو قتل کرایا۔ اور بیت المقدس میں جہاں کبوتر فروشی تک ممنوع تھی۔ وہاں سئور کی قربانی ہوئی۔ اور بالآخر اسی مخالفت اور مشرکین وکفار کی ناحق ناشناسی اور خیال باطلہ سے حضرت محمدؐ مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم کو سابقہ پڑا۔ چنانچہ آپنے ابتدائی مرحلوں میں بھی ایسی ایسی سخت تکالیف اور مصائب اُٹھائے۔ کہ جنھیں پڑھ سُنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور دل وجگر کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں ؛

❖ ❖ ❖

مخالفت اور تکالیف کا دروازہ کھل گیا

جب حضور ہادئی اسلام علیہ السلام کے لگاتار مواعظِ حسنہ اور دِلرُبا طرزِ بیان اور آیاتِ الٰہی کی صداقت بھری ہدایتوں کے اثر سے متاثر ہوکر مشرکین و کفار کے دل اسلام کی جانب مائل ہونے لگے۔ تو ضدی جاہل ابوجہل وغیرہ سردارانِ کفارِ مکہ حیران ہوکر بولے۔ ترجمہ (اور وہ حیران ہوئے کہ اُن ہی میں سے اُن کے پاس ایک ڈرانے والا آیا۔ اور اُن منکروں نے کہا۔ جھوٹا جادوگر ہے) لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم برابر تائیدِ الٰہی کی زبردست طاقت کے بھروسہ پر بُت پرستی دہریت اور ستارہ پرستی وغیرہ کی علانیہ تردید فرماتے رہے۔

ترجمۂ قرآن مجید (اے مشرکو) خدا کے سوا جن کو اپنی مدد کے لئے بلاتے ہو (وہ بھی) تم جیسے (مخلوق) بندے ہیں۔ تو اُن کو بلا دیکھو۔ اگر تم سچے ہو تو وہ تمہاری فریاد کو پہنچیں گے۔ کیا اُن (بتوں) کے ایسے پاؤں ہیں (جن سے چلتے ہیں) کیا اُن کے ایسے ہاتھ ہیں۔ (جن سے چیزوں کو پکڑتے ہیں) یا اُن کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں۔ یا اُن کے ایسے کان ہیں۔ جن سے وہ

وہ سنتے ہیں"

اسی طرح ستارہ پرستوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ترجمہ اور اُس کی نشانیوں سے ہے۔ رات اور دن سورج اور چاند۔ مت سجدہ کرو۔ سورج اور چاند (وغیرہ ستاروں) کو۔ بلکہ اللہ تعالٰے کو سجدہ کرو۔ جس نے انہیں پیدا کیا۔ اگر تم اُس کی عبادت کرتے ہو ۔

پھر بتُوں کی نادانی و کمزوری و عاجزی پر بارشاد ربانی سنایا۔

ترجمہ۔ لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ تاکہ اُس کو کان لگا کر سُنو۔ کہ خدا کے سوا جن پتھر کے بتوں کو تم پکارتے ہو۔ (وہ) ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اُس کے پیدا کرنے کے لئے سب کے سب اکٹھے بھی کیوں نہ ہو جائیں اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین لے جائے۔ تو اُس سے اِس کو۔ (وہ) چھڑا نہیں سکتے۔ (کیسے) بودے ہیں۔ یہ (بُت) جو (مکھی) کے پیچھے پڑیں۔ اور اس کو پکڑ نہ سکیں۔ اور کیسی بودی ہے۔ وہ بیچاری (مکھی) جس کا پیچھا کیا جائے (پھر بھی ہاتھ نہ آئے) ان لوگوں نے خدا کی جیسی قدر جاننی چاہیئے تھی۔ جانی ہی نہیں (ورنہ) اللہ تعالٰے تو بڑا زبردست (اور سب پر) غالب ہے۔

چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ حضور علیہ السلام کی ان پیاری اور مفید باتوں کو

سنکر کفار و مشرکین فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ مگر برعکس اس کے ظالموں نے ضد، ہٹ دھرمی، تعصب اور ایذا رسانی پر ایسی کمر باندھی۔ جسے پڑھ کر انتہائی رنج ہوتا ہے۔ کفارِ عرب نے ہادیٔ اسلام کے ساتھ دن بدسلوکیوں اور طرح طرح کے ظلم وستم سے آپ اور آپ کے جان نثار اصحابؓ کا دم ناک میں کر دیا

ایام حج میں جب حضور کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے۔ تو ابو لہب آپؐ کو پیچھے سے پتھر مارا کرتا۔ چنانچہ کئی دفعہ آپ کے ٹخنے اور پنڈلیاں زخمی ہو جاتیں۔ اور خون بہا کرتا۔ اور ابو لہب کی بیوی کا تو یہ حال تھا۔ کہ ہر روز جنگل سے خاردار لکڑیاں اٹھا لاتی۔ اور آنحضرت صلعم کے راستہ میں بکھیر دیا کرتی۔ آہ جبکہ حقیقی چچا اور حقیقی چچی کی۔ اپنے حقیقی اور یتیم بھتیجے کے ساتھ یہ بدسلوکیاں تھیں۔ تو اس سے اندازہ لگا لیجئے۔ کہ غیر لوگ کیا کچھ زیادتی نہ کرتے ہونگے۔

لیکن پیارے بھتیجے کے اخلاق دیکھو۔ کہ وہ نہایت خندہ پیشانی سے اُن خاردار جھاڑیوں کو راستہ سے اُٹھا دیتے۔ اور اس سے فرماتے۔ چچی جان کیا یہ حق ہمسائیگی ادا کر تے ہو۔ اس بد باطن عورت کا نام اسی وجہ سے حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ۔ (لکڑیاں چننے والی) مشہور ہو گیا۔

ایک دفعہ خانہ کعبہ میں قریش کے کئی آدمی آپ پر ٹوٹ پڑے
چنانچہ ایک شخص نے حضورؐ کی چادر اُتار کر آپؐ کے گلے
میں اس زور سے گل پھندہ دیا۔ کہ حضور کا دم گھٹنے لگا۔ یہ حالت
دیکھکر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آپ کو چھڑانے لگے۔ تو سب کے سب
حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی لپٹ پڑے اور اُن کی ریش مبارک پکڑ کر الیسا
مارا۔ کہ حضرت صدیق اکبرؓ بے ہوش ہو گئے ؂

ایک دفعہ حضور علیہ السلام سجدے میں تھے۔ کہ ایک کافر نے آپ کی
پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالدی۔ اسی طرح بارہا آپ کے
ہمسائے نماز پڑھنے کی حالت میں اور کھانا کھانے کے وقت غلاظت و
نجاست ڈالدیا کرتے۔ راستوں میں کانٹے بکھیرتے۔ اور جب کبھی
آپؐ باہر جاتے۔ تو کفار آپ پر کنکر پتھر مارتے یا کوڑا کرکٹ اُوپر
ڈال دیتے۔ حرم کعبہ میں نماز پڑھتے۔ تو آمد و رفت کے وقت مزاحم
ہوتے۔ اور جب آپ قرآن مجید کی کوئی آیت یا سورت پڑھتے۔ تو سُنکر شور
غل مچاتے۔ اور آیت مقدسہ کے الفاظ میں اپنے الفاظ ملا دینے کی کوشش
کرتے۔ بارہا حضور صلعم کی پکی ہوئی ہنڈیا میں اونٹ کی اوجھڑی کے
ٹکڑے اور اسی قسم کی دوسری ناپاک چیزیں ڈال کر خراب
کر دیا کرتے۔ اور شکایت کرنے پر سخت سے سخت گالیاں دیتے
یہاں تک کہ کفار نے باہم عہد کر لیا تھا کہ کوئی شخص ہادئی اسلامؐ کے پاس نہ
بیٹھے۔ چنانچہ ایک روز عقبہ بن ابی معیط کافر آپؐ کے پاس

بیٹھا۔ ارشاداتِ نبویہ اور قرآن مجید کی ہدایت آمیز آیات سے سعادت اندوز ہو رہا تھا۔ کہ اُسکے دوست ابی بن خلف نے اُسے کہا کہ تو محمد صلعم کے پاس بیٹھتا۔ اور اُن کی باتیں سُنتا ہے اس لئے میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ کیا تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ تو محمد صلعم کے مُنہ پر تھوک دے۔ چنانچہ یہ دشمن خدا عقبہ بھی اِس نامعقول حرکت کے ارتکاب سے جہنم کا ایندھن بنا۔

الغرض دشمنوں نے ایذا رسانی و تکلیف دہی کا ایک غیر محدود سلسلہ قایم کر لیا تھا۔ کہ جہاں تک ہو سکے۔ آپ کو اور آپکے اصحاب کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں۔ چنانچہ اُن بیچارے مسلمانوں کو جن کا کوئی مددگار نہ تھا مشکیں باندھ کر پہلے زدو کوب کرتے اور پھر دوپہر کی کڑکتی ہوئی تیز و تند دھوپ میں اُس جلتی ہوئی زمین پر جس کو رمضا کہتے تھے۔ تشنہ و گرسنہ مُنہ کے بل اوندھا لٹا دیتے۔ اور کبھی سیدھا لٹا کر اُن کی چھاتیوں پر بڑے بڑے گرانبار گرم پتھر رکھ دیتے۔ جن کے سنگین بوجھ سے زبان مُنہ سے باہر نکل آتی تھی۔ ایسی تکلیف اور مصیبت کی حالت میں بیرحم ستمگر خدا اور رسول کے دشمن اُن مظلوموں سے یہ کہتے کہ یا تو محمد صلعم اور اُس کے خدا کو گالیاں دو۔ اور ہمارے بُتوں کی پرستش کا اقرار کرو۔ ورنہ اسی طرح عذاب اور دُکھ دیکر جان سے مار ڈالیں گے۔ مگر کسی نے

یہ قبول نہ کیا۔ انہیں ستم رسیدوں میں حضرت عمارؓ اور اُن کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ تھیں۔

اسلام میں پہلی شہیدہ

حضرت بی بی سمیہ کو بدبخت ابوجہل نے جس عذاب سے مارا۔ اس کو لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے۔ اور پتھر سے پتھر دل آدمی کا دل سُنکر خون ہو جاتا ہے۔ یعنی جب ابوجہل نے حضرت یاسرؓ کو بہت تکلیف دی۔ تو اُس کو یاسرؓ کی بیوی سمیہؓ نے ڈانٹا۔ اُس بے حیا ظالم نے طیش میں آکر اُس پاکدامن بی بی کو اوندھا گرا کر وہ حربہ جو اس وقت اس کے پاس تھا۔ اُس کے زیر ناف مارا۔ اس ضرب سے وہ عصمت مآب بی بی جان بحق ہو گئی اسلام میں یہ عفیفہ پہلی عورت ہے۔ جس نے اپنے ایمان پر اپنی جان کو قربان کر ڈالا۔ یاسرؓ بھی بہت تکلیف اور عذاب اُٹھا کر داخل جنّت ہوئے اور عمارؓ کو مشکیں باندھ کر مکہ کی جلتی اور تپتی ریتلی اور کنکریلی۔ زمین پر ڈال دیا جاتا۔ اور چھاتی پر ایک گرم کیا ہوا بھاری پتھر رکھ دیا جاتا اور کبھی پانی میں غوطہ دیتے۔ مگر حضرت عمارؓ کا دل ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں کچھ اس قدر مستغرق تھا۔ کہ پائے ثبات کو ذرا بھر لغزش

نہ ہوئی ؛

یہی حال خبابؓ بن ارتؓ کا تھا۔ کہ برہنہ کر کے تپتی ہوئی زمین پر ڈال دیئے جاتے تھے ؛

صہیبؓ کی مصیبت بھی دنیاوی مصیبتوں کو ہیچ جانا۔ اور ہجرت کے لئے جب تیاری کی۔ اور قریش نے ان کو قید کرلیا۔ تو جو کچھ مال وزر اُن کے پاس موجود تھا۔ سب کچھ اُن کو دے دیا۔ اور وطن کی محبت پر خاک ڈال کر مدینے کو چلتے بنے حضرت بلالؓ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضہ کے مصائب بھی ناقابل برداشت تھے۔ ابو فکیہہ مظلوم کے پاؤں میں رسن ڈالکر مکہ کی بھوبھل جیسی جلتی زمین پر گھسیٹا جاتا تھا۔ اور سر کے بال مروڑ اور گلا گھونٹ کر نیم جان کردیا جاتا تھا۔ مگر وہ اپنے عزم واستقلال ایمان میں متزلزل نہ ہوئے ؛

عورتوں کی جفاکشی وجانبازی

یہ حال تو اُن دیندار مردوں کا تھا۔ جو تمثیلاً ہم نے بیان کیا ہے۔ لیکن ناانصافی ہوگی۔ اگر اُن راسخ الاعتقاد عورتوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ جو باوجود اپنے ضعفِ فطرت کے ایسے مصائب اور شدائد کی متحمل ہوئیں کہ جن تکالیف کو قوی ہیکل مرد بھی برداشت نہیں کر

سکتے۔ چنانچہ بی بی سمیہؓ کا دردانگیز حال تو اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ لیکن لبنیہ۔ زنیرہ۔ ہندیہ اُم عبیسؓ کی مصیبتیں بھی کچھ کم دردانگیز نہیں۔ یہ بیچاری چاروں لونڈیاں تھیں۔ جن کو اُن کے سنگدل آقا صرف اس گناہ پر کہ وہ خدائے واحد اور اُس کے سچے رسول پر ایمان لائی تھیں سخت سے سخت تکلیفیں دیتے تھے۔ چنانچہ اور تو اور خود حضرت عمرؓ (جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے)

لبنیہؓ کو اِس قدر زدوکوب کرتے تھے۔ کہ جب مارتے مارتے تھک کر دم لینے لگتے۔ تو کہتے۔ کہ میں نے تجھے اپنی چھوڑا نہیں ہے۔ ذرا دم لے لوں۔ تو پھر ماروں گا۔ لیکن لبنیہؓ یہ جواب دیتیں کہ اسی طرح خدا بھی تیرے ساتھ کرے گا۔ اگر تو مسلمان نہ ہُوا۔

زنیرہؓ کو بدبخت ابوجہل نے اس قدر ایذائیں پہنچائیں۔ کہ وہ مظلومہ اندھی ہو گئی۔ جس پر ابوجہل نے یہ بکواس کی۔ کہ تجھ کو لات وغیرہ بتوں نے اندھا کر دیا ہے۔ مگر زنیرہؓ نے جواب دیا۔ کہ لات وعزّےٰ کو تو خود ہی نہیں دکھائی دیتا۔ کہ اُن کو کون پوج رہا ہے۔ مجھے کیونکر وہ اندھا کر سکتے ہیں۔ پس اے جہالت کے پتلے! یہ ایک آسمانی امر ہے۔ کہ میں اندھی ہو گئی۔ ورنہ میرا خدا تو اس پر بھی قادر ہے۔ کہ وہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دے دے۔

ہندیہؓ ایک مشرکہ عورت کی لونڈی تھی۔ اور وہ ظالمہ بیچاری ہندیہؓ

کو سخت تکلیفیں دیا کرتی- اور کہتی کہ اسی طرح کئے جاؤں گی جب
تک کہ تو اسلام کو نہ چھوڑے یا اصحاب محمد میں سے کوئی تم کو خرید
نہ لے۔ ایسے ہی اُم عبیسؓ اسود بن عبد یغوث کی لونڈی
تھی۔ جبکو وہ بے حیا نہایت بزور ستاتا تھا- لیکن وہ
بیچاری اپنے ایمان کی خاطر سب دُکھ اور تکلیفیں سہتی تھیں۔
اللہ اکبر کلام الٰہی نے کیسا مضبوط ایمان ان لوگوں کے دلوں میں
پیدا کر دیا تھا- اور حیاتِ ابدی کی ایک نئی رُوحانیت اُن
میں پھونک دی تھی- مرد تو مرد مومنہ عورتیں بھی مذہب و دین کے
مقابلہ میں ہر قسم کی دنیاوی تکلیف و راحت کو حقیر سمجھتیں تھیں گویا
بہشت اور دوزخ اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے- جو ایمان اور
کفر کا واقعی اور لازمی نتیجہ ہیں- بہشت اور قرب خداوندی کے
شوق، جہنم اور بعد بارگاہ الٰہی کے خوف نے حیات دنیوی کی ہر ایک
حالت کو حقیر و ذلیل اور بے اعتبار کر دیا تھا- جس سے راہ خداوندی
میں تکلیف کو بھی راحت سمجھتے تھے۔

غرضیکہ مردودانِ درگاہِ الٰہی بیچارے مسلمانوں اور حضور
ہادیئے اسلام علیہ السلام کو آزار پہنچانے انہیں تکلیفیں دینے
اور اُن پر مصائب توڑنے کے لئے ایسے کمر بستہ ہوئے- کہ اُن کا
سلسلہ ہائے مصائب ختم ہونے کو ہی نہیں آتا تھا- مگر آپ کے
جانباز اصحاب اور فدائی احباب ان مصیبتوں اور ایذاؤں لیے

صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ کہ غیر مذاہب کے منصف مزاج لوگ بھی معترف ہوئے۔ بغیر نہیں رہ سکتے چنانچہ اس موقعہ پر مشہور فلاسفر مسٹر کار لائل لکھتے ہیں کہ:

پس ہم محمد صلعم کی نسبت یہ ہرگز خیال نہیں کر سکتے۔ کہ وہ ایک شعبدہ باز اور تہی باطن شخص تھے۔ اور نہ ہم اُن کو حقیر جاہ طلب صرف دیدہ و دانستہ منصوبے گانٹھنے والے کہہ سکتے ہیں جو سخت اور کرخت پیغام آپ نے دنیا کو دیا۔ بہر حال وہ ایک سچا اور حقیقی پیغام تھا اور اگرچہ وہ ایک غیر مترتب کلام تھا۔ مگر اس کا مخرج وہی ہے۔ جس کی انتہا کسی نے بھی نہ پائی۔ اس شخص محمد صلعم کے نہ اقوال جھوٹے تھے بلکہ وہ حیات ابدی کا ایک نورانی پیکر تھا۔ جو قدرت کے وسیع سینے میں میں سے نکلا تھا۔ اور بلاشبہ اس کے لئے امر ربانی پہنچا تھا

ہجرت حبشہ

جب حضور ہادئے اسلام علیہ السلام برابر دو سال تک یہ مصائب اور اپنے مومنوں کی یہ تکالیف دیکھ دیکھ کر تنگ آگئے۔ اور معتقدین کا زیادہ مصائب میں مبتلا رہنا برداشت نہ

کر سکے۔ تو ماہ رجب سنہ ۵ ہجری نبوت میں آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ میرا جو حال ہو۔ مگر تم میں سے جس کا جی چاہے۔ مکہ چھوڑ کر کہیں نکل جائے۔ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ مع زوجہ خود حضرت رقیہؓ بنت رسول مقبول صلے اللہ مکہ سے روانہ ہوئے حضور ہادئی اسلام علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ عثمانؓ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے۔ جس نے راہ خدا میں ہجرت کی ہے۔ سمندر تک ۱۲ مرد ۵ عورتیں اور حضرت عثمان کو جا ملے۔ پھر اور لوگوں نے ہجرت کی جن میں جعفر طیارؓ عمزاد رسول مقبولؐ بھی تھے۔ یہ لوگ مکہ سے ہجرت کر کے ابی سینیا میں نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس چلے گئے۔ نجاشی نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی۔ اور آرام سے رکھا۔ کفار مکہ اس بات سے جل گئے۔ چنانچہ اونہوں نے نجاشی کے پاس اپنے ایلچی بھیجے۔ کہ وہ مہاجرین کو اپنے ملک میں جگہ نہ دے اس لئے کہ یہ لوگ بدعتی ہیں۔ اور انہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کیا ہے۔ نجاشی نے مشرکین مکہ کے ایلچیوں سے یہ باتیں سنکر مسلمانوں کو طلب اور دریافت کیا۔ کہ کیا یہ الزام درست جو تم پر ان لوگوں نے لگایا ہے۔ اور وہ تمہارا نیا دین کیا ہے حضرت جعفر ابن ابی طالب نے سب مسلمانوں کی طرف سے کھڑے ہو کر سپیچ کے طور پر فرمایا:

٭ ٭ ٭

حضرت جعفر کی تقریر

اے بادشاہ ہم جہالت اور ضلالت کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ اور ہم بتوں کو پوجتے تھے۔ اور مردار کھاتے تھے فحش بکتے تھے۔ اور کوئی صفت انسانیت کی ہم میں نہ تھی۔ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنا رسول محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا۔ جس کی شرافتِ نسب اور صدق مقال اور تدین اور صفائی باطن سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ خدا نے اُن پر اپنا کلام نازل فرمایا۔ وہ ہم کو یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ خدا کو ایک مانو۔ اس کا کسی کو شریک نہ جانو۔ بتوں کی پوجا نہ کرو۔ پڑوسی کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ عورتوں کی عزت کرو سچ بولا کرو۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔ اور اپنے ابنائے جنس پر رحم کرو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ تقویٰ اور طہارت اختیار کرو۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو۔

پس ہم اُن پر ایمان لائے ہیں اور اُن کے احکام ونصائح کو قبول کر لیا ہے۔ خاصکر اس حکم کو کہ صرف ایک اللہ کی پوجا کرو۔ اور لکڑی اور پتھر وغیرہ کے بتوں کو نہ پوجو۔ صرف اسی

ایک بات پر اہل مکہ نے ہم کو ایسی ایذائیں دیں۔ کہ ہم کو کہیں پناہ نہیں ملی۔ آخر کار آپ کے ملک میں آکر پناہ لی۔ امید ہے۔ کہ آپ ہم کو اُن کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں گے ؛

سُبحان اللہ حضرت جعفرؓ کی جذبات صداقت سے بھری ہوئی ولولہ انگیز پُرجوش تقریر میں حضور ہادیٔ اسلام کی تعلیم کا تقریباً تمام خلاصہ موجود ہے۔ نجاشی نے سُنکر کچھ دیر تک خاموشی اختیار کی۔ اور پھر کہا۔ کہ جو کلام تمہارے نبی پر اُترا ہے۔ کچھ اُس میں سے تو پڑھو۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کو ابتدا سے پڑھنا شروع کیا۔ اور جب اس مقام پر پہنچے۔ جہاں حضرت مریم کو من جانب اللہ یہ خطاب ہوتا ہے

ترجمہ پس کھا اور پی۔ اِس بچّہ (عیسٰے) کے (دیکھنے سے) آنکھیں ٹھنڈی کر"۔ نجاشی بادشاہ کو کمال رقت ہوئی۔ اور اس نے کہا۔ کہ یہ کلام اور جو کلام حضرت موسٰے پر اُترا تھا۔ دونوں کی روشنی ایک روشندان سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اہل اسلام کو کہا۔ کہ میرے ملک میں راحت و آرام اور اطمینان قلب کے ساتھ رہو۔ اور ایلچیان کفّار مکہ کو صاف جواب دیدیا۔ تو پھر کفار نے نجاشی کے حضور میں مسلمانوں کے خلاف یہ شرارت آلود پروپیگنڈا کرنا شروع کردیا۔ کہ یہ لوگ (مسلمان) حضرت عیسٰے کی شان میں بادشاہ کے عقائد کے خلاف

کچھ کا کچھ کہتے ہیں۔ بخاشی نے پھر مسلمانوں سے خطاب کر کے دریافت کیا۔ تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا۔ کہ ہم اُن کے حق میں بھی یہی کہتے ہیں۔ وہ بندہ خدا ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے بحکم کلمہ کُن آپ کو مریم طاہرہ کی پیٹ سے پیدا کیا۔ اور پیغمبر بنایا۔"

چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے کلمات کی تصدیق میں بہت سی آیتیں پڑھیں۔ جس پر بخاشی نے کہا کہ بے شک انجیل میں حضرت عیسےٰ کی تعریف ایسی ہی لکھی ہے۔ مرحبا تمہیں اور اُسے جس کی طرف سے تم آئے ہو۔ واقعی وہ خدا کا رسول ہے۔ اُس کی تعریف انجیل میں موجود ہے۔ اور حضرت عیسےٰ نے اس کی بشارت دی ہے پھر کفارِ مکہ کے قاصدوں کو ڈانٹ بتائی۔ اور اُن کو اپنے ملک سے نکال دیا۔

حبشہ میں تو یہ واقعہ گزرا۔ مگر مکہ میں بھی ایک عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ یعنے ایک تو حضور ہادیِ اسلام کے چچا حضرت حمزہؓ ایمان لے آئے۔ اور دوسرا عرب کے ایک مشہور بہادر اور اسلام کے شدید ترین دشمن حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ مشرف باسلام ہو گئے۔

واقعہ اس طرح پر ہے۔ کہ جب کفار مسلمانوں پر مظالم کرتے کرتے تھک گئے۔ اور حضور ہادیِ اسلام کی علو ہمتی ثابت قدمی اور استقلال میں ذرہ بھر کمی واقع نہ ہوئی۔ تو ایک روز ابو جہل سراپا جہل نے اپنی تمام قوم کو جمع کر کے نہایت طعن و تشنیع سے بھری ہوئی تقریر

سے نادم کیا۔ اور کہا۔ کہ میں اِس جلسہ میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ حاضرین میں سے جو شخص محمد (صلعم) کو قتل کرے گا۔ بس اُسے ایک قومی خدمت کے معاوضہ میں نہایت اعلےٰ قسم کے ایک سو اُونٹ انعام میں دونگا۔

حضرت عمرؓ نے اس اہم کام کے سرانجام دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ ابوجہل آپ کو کعبہ میں لے گیا۔ اور ہُبل کے آگے جو قریش کا سب سے بڑا بُت تھا۔ اپنے وعدہ یعنی ایک سو اونٹ ادا کر دینے کی سخت قسم کھائی۔

(حضرت) عمرؓ نے بھی اسی طرح اس بُت کے سامنے عہد کیا۔ کہ مَیں بھی جب تک اس دشمنِ قوم کو قتل نہیں کر لونگا آرام سے نہ بیٹھوں گا۔

غرضیکہ (حضرت) عمرؓ تلوار کمر سے لگا سیدھے مسکنِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ ادر کارکنانِ قضا و قدر نے نہایت مسّرت بھرے لہجے میں کہا۔ کہ ؎

آمد آں یارے کہ من مے خواستم
راست شُد کارے کہ من میخواستم

راہ میں اتفاقیہ نعیمؓ بن عبداللہ مِل گئے۔ انہوں نے عنوان دیکھکر کہا۔ کہ کیوں خیر ہے؟ (حضرت) عمرؓ بولے۔ کہ محمد صلعم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ خود تمہاری

بہن بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ یہ سُنکر فوراً پلٹے۔ اور اپنی ہمشیرہ کے گھر پہنچے۔ آگے وہ قرآن مجید کی کچھ آئتیں پڑھ سُن رہے تھے لیکن حضرت عمر کے پاؤں کی آہٹ پاکر چپ ہو گئے۔ اور قرآن کے اوراق چھپا دیئے۔ مگر حضرت عمرؓ کے کانوں میں آواز پڑھ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا۔ تم یہ کیا پڑھ رہی تھیں اُن کی بہن نے کہا۔ کچھ نہیں وہ بولے کہ نہیں نہیں۔ میں سن چکا ہوں سچ سچ بتاؤ۔ کیا تم میاں بی بی دونو مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعیدؓ سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور اس کو زدوکوب کرنا شروع کیا۔ اللہ اکبر۔ بیخبری میں انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ بہن چھڑانے آئی۔ تو اُس کو بھی زخمی کیا۔ جس سے اُس کا جسم لہو لہان ہو گیا۔ اسی حالت میں اُن کی بہن فاطمہ کے مُنہ سے نکلا۔ کہ عمرؓ جو جی چاہے۔ کرو۔ مگر اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا اس دردبھری آواز سے (حضرت) عمرؓ کے دل پر بھی ایک خاص اثر ہُوا۔ اور بہن کی طرف دیکھا۔ تو جسم سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھکر اُن کا دل کچھ اس قدر پسیجا۔ کہ رقت طاری ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بہن، بہنوئی سے کہا۔ کہ مجھے بھی وہ سناؤ۔ جو تم پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ فاطمہؓ نے قرآن کے اوراق لاکر سامنے رکھدیئے بس پھر کیا تھا۔ ایک ایک لفظ پر (حضرت) عمرؓ کا دل مرعوب اور متاثر ہوا جاتا تھا۔ لیکن آیت کے جب اس ٹکڑے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ پر پہنچے۔ تو بے اختیار زبان سے نکلا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا

اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور کہا۔ کہ مجھے
حضور کی خدمت میں لے چلو۔ غرضیکہ آپ وہاں سے ابنِ ارقم کے
مکان کی طرف کہ جہاں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اُس زمانہ
میں فروکش تھے۔ روانہ ہوئے۔ (حضرت) عمر رض نے آستانۂ
مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ حضرت عمر رض کے ارادۂ حقیقی
اور آمد کی خبر اس مجلس میں پہنچ چکی تھی۔ اس لئے صحابہ کو
دروازہ کھولنے میں تردد ہُوا۔ لیکن ہادیٔ اسلام خود آگے بڑھے
اور دروازہ کھول دیا۔ اور قبل اس کے کہ انہیں دیکھیں۔ فوراً ان کے
منہ سے نکلا۔ اے عمر رض کب تک ہمارے دشمن بنے رہو گے؟ اور کس
ارادے سے آئے ہو۔ اس وقت شجاع عرب حضرت عمر رض کی عجب
حالت تھی۔ یعنی تلوار اُن کے گلے میں اس طرح آویزاں تھی۔
جس طرح بے ہتھیار ہارے دشمن کی۔ آنکھوں سے آنسوں رواں
تھے۔ نبوّت کی پُر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا۔
نہایت خشوع و خضوع سے عرض کیا۔ کہ مجھے اپنی غلامی میں لے
لیں۔ اور چاہا۔ کہ قدموں پر گر پڑیں لیکن اُس نبی رؤف و رحیم نے
گلے سے لگا لیا۔ اور اس قدر جوشِ محبّت سے بغل گیر ہو کر ملے
اور اس محبّت سے اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ جس طرح کوئی
مدّتوں کے بچھڑے ہوئے حقیقی بھائی ایک دوسرے سے ملتے ہیں
حضور علیہ السلام نے نہایت جوشِ مسرّت سے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا؛

اور ساتھ ہی صحابہ نے مِل کر اس زور سے تکبیر کہی کہ مکّہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ تمام مسلمانوں میں یہ خبر تاربرقی کی طرح پھیل گئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا ہی یہ نتیجہ ہوا۔ کہ مسلمانوں نے بہ تحریکِ حضرت عمرؓ کعبہ میں علانیہ نماز ادا کی۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونا

قریش کے سفیر جب سفارت حبشہ سے ناکام واپس آئے۔ تو ناکامی کی ندامت کے باعث پہلے کی نسبت اور بھی زیادہ حضور ہوئے اسلام کی مخالفت اور ایذا رسانی میں مستعد ہو گئے۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ابی سینیا اپنا جائے پناہ اور مامن پناہ بنا لیا ہے اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بہادر لوگ بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور دن بدن مسلمان بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اسلام کی اشاعت ترقی پر ہے۔

تو ان کو سخت طیش آیا۔ اور اُنہوں نے قطعی ارادہ کر لیا۔ کہ جس طرح ممکن ہو۔ بہت جلد محمد صلعم کا استیصال کیا جائے۔ چنانچہ ایک روز تمام قریش متفق ہو کر ابی طالب کے پاس گئے۔ اور کہا۔ کہ یا تو تم اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو۔ یا اُس سے کہدو کہ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کیا کرے۔ ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو بلا کر قریش کا پیغام سنایا۔ اور کہا۔ کہ اب اس سے زیادہ مجھ میں تمہاری حفاظت کی طاقت نہیں۔ یہ سنکر حضور ہادیٔ اسلام نے فرمایا۔ کہ آپ میری بابت کچھ فکر نہ کریں۔ میرا اللہ نگہبان اور محافظ ہے۔ اگر تمام قریش میرے قتل کا ارادہ کریں۔ اور دائیں بائیں آفتاب و مہتاب ان کے شریک ہوں۔ تو بھی میں اپنے ارادے اور کار منصبی سے باز نہیں آ سکتا۔ کیونکہ میں تبلیغ کے معاملہ میں مجبور ہوں۔ اگر آپ حفاظت نہیں کر سکتے۔ تو نہ کریں۔ میرا خدا حامی ہے۔ یا تو میں کامیاب ہوں گا۔ یا حقیر و ذلیل ہو جاؤنگا۔ حضرت ابو طالب نے یہ استقلال فوق العادت اور دلیرانہ ثابت قدمی دیکھ کر کہا۔ کہ اے میرے پیارے بھتیجے کچھ فکر نہ کر۔ جب تک میری جان میں جان ہے میں بھی تیری مردانہ ہمّت کا ساتھی ہوں۔ چنانچہ حضور بدستور لوگوں کو پیغام پہنچاتے۔ اور سناتے رہے۔ اور قریش کی اذیتوں اور تکلیفوں اور مخالفتوں کو کچھ خیال میں نہ لائے۔ اور نہ خاموشی اختیار کی۔ جیسا کہ اس موقع پر مسٹر کارلائل مشہور فلاسفر

لکھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ (محمد صلعم) خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ کیونکہ جس امرِ حق کا آپ اعلان فرماتے تھے۔ اُس میں وہی فطرتی قوت موجود تھی۔ جو کہ شمس و قمر یا قدرت کے اور مصنوعات میں ہے اور خدائے قادرِ مطلق کی مرضی کے بغیر سورج اور چاند اور تمام قریش بلکہ تمام انسان اور موجوداتِ عالم آپ کو خاموش نہیں کرا سکتے تھے۔ کیونکہ اس کے سوا آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے۔

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ وہ کلام اور چلن ایک جھوٹے مدعیٔ نبوت کا نہیں ہو سکتا۔

اللہ اکبر کیسی ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ صابرانہ اور مردانہ جواب تھا۔ کہ عیسائی مصنفین بھی بے ساختہ پکار اُٹھے۔ کہ سوائے صادق القول آدمی کے اور کوئی ایسا جواب نہیں دے سکتا۔

قریش نے پھر ایک روز پنچایت کر کے حضور ہادئے اسلام علیہ السلام کو بلوایا۔ اور کہا۔ کہ آخر اس دعوے (نبوت) سے اور ایسی باتوں سے تمہاری غرض کیا ہے۔ اگر مال چاہتے ہو۔ تو مال جمع کر دیں۔

اگر تم کو شرف و جاہ مطلوب ہے۔ تو ہم تم کو اپنا سردار بنا لیں۔ اگر تم بادشاہت چاہتے ہو۔ تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیں

اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیں۔

اور اگر تم کو کوئی آسیب ہو گیا ہے۔ تو ہم تمہارا علاج کرائیں۔ یہ سنکر حضور ہادئے اسلام علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان سب باتوں سے میرا کوئی بھی مقصد نہیں ہے۔ میری شان اس سے اعلےٰ و ارفع ہے۔ کہ تم سے زیادہ مال و حشمت کا طلبگار ہوں۔ میں صرف بشیر و نذیر ہوں۔ اگر قبول کرو گے۔ تو دین و دنیا میں کامیاب ہو جاؤ گے اگر نہ مانو گے۔ تو صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ مجھ میں اور تم میں فیصلہ کر دے ؛

یہ جواب سنکر کفارِ مکہ نے آپس میں کہا۔ کہ یہ محمد (صلعم) ہرگز نہیں مانے گا۔ جبتک کہ اپنا خون ہمارے سر لگا کر اپنے قتل کے جُرم سے ہم کو بدنام نہ کر لے گا۔ غرضیکہ سب کے سب حضور کے قتل ناحق پر آمادہ ہوئے لیکن ابوطالب اور بنو ہاشم کے خوف سے آپؐ کے قتل کو کسی دوسرے موقع اور وقت مناسب پر موقوف رکھا۔ حضرت ابوطالب نے یہ خبر سُنکر بنی عبدالمطلب اور بنو ہاشم کے اُن لوگوں کو جو اُن کے خاص خاندان کے تھے جمع کیا۔ اور ان سب کو آنحضرت صلعم سمیت لیکر اُس غار میں جسے شعب ابوطالب کہتے ہیں۔ پناہ گزیں ہوئے جب قریش نے بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کو متفق اور غار میں محفوظ دیکھا۔ تو سب نے اکٹھے ہوکر باہم یہ عہدنامہ لکھا۔ کہ ہم سب قریش بنی عبدالمطلب سے الگ اور جُدا رہیں گے ؛ اور اُن میں رشتہ اور

نکاح نہیں کریں گے۔ اور نہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور نہ اُن سے کوئی معاملہ کریں گے اور نہ اُن کو اس سرزمین میں آرام لینے دیں گے۔ مگر اس وقت تک کہ محمد (صلعم) مارے جاویں یہ عہد نامہ بامہر کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کیا گیا۔ اور شعب ابطالب کا محاصرہ کر لیا۔ چنانچہ جو کوئی اُس شعب (گھاٹی) سے باہر آتا۔ اُسے خوب مارتے۔ اور بازار سے کوئی چیز خریدنے نہ دیتے ' یہ مصیبت کامل تین سال تک آپؐ اور آپؐ کے رفقا پر رہی لیکن جب یہ لوگ محاصرہ میں بڑے بڑے تنگ آگئے۔ اور بال بچے بھوکے اور پیاسے روتے روتے قریب المرگ ہو گئے تو قریش میں سے بعض کو بوجہ رشتہ داری اُن پر رحم آیا۔ چنانچہ چند اشخاص نے مل کر عہد کو توڑا۔ اور عہد نامہ کو پھاڑا۔ اور محصورین کو وہاں سے نکال لائے ٭ تب بنی عبدالمطلب اپنے اپنے گھروں میں آکر بسے ٭

حضرت ابوطالب و حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال

جس وقت نبوت کا دسواں سال تھا۔ اور حضور ہادئے اسلام علیہ السلام کی عمر ۴۹ سال ۸ ماہ ۱۱ یوم کی تھی۔ تو حضور کے ہمیشہ کے حامی ہمیشہ کے معاون و مددگار، ہمیشہ کے غم خوار و غم گسار، ہمیشہ کے فدائی و جان نثار، یعنی آپ کے چچا جناب ابی طالب انتقال فرما گئے۔ ہائے افسوس واحسرتا۔ آہ یہ وہی پیارے چچا ہیں جن کی محبت حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ صرف عالمِ طفلی میں تھی بلکہ عالمِ پیری تک آپ کی محبت میں اپنا جان و مال فِدا کرتے رہے۔ چنانچہ زمانہ بعثت و نزول وحی کے بعد اکثر موقعوں پر حضرت ابی طالب نے آپ کی حمایت و صداقت میں کفار و مشرکین سے مباحثہ کر کے حضور علیہ السلام کے صدیق دامن ہونے کی تصدیق فرمائی۔ اور پورے تین سال تک حضور کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہ کر بھوک اور پیاس کے صدمے سہے اور کفّار کے ہاتھوں سے سخت تکالیف اُٹھائیں۔ اور تمام عمر میں حضور علیہ السلام کی کبھی مخالفت نہ کی۔ بلکہ اپنے دونو بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسلمان ہو گئے۔ تو اُن کو مسلمان ہونے سے نہ روکا۔ بلکہ اپنی وفات کے قریب اپنی اولاد اور اپنے اقربا کو جمع کر کے آپ کے حق میں یہ وصیت فرمائی۔ کہ میں تم کو محمد (صلعم) سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ قریش میں امین

ہے۔ اور عرب میں صدیق ہے۔ وہ ایسا امر لایا۔ جسکو دل نے مانا۔ مگر زبان نے بدنامی کے ڈر سے انکار کیا۔

آہ اور مصیبت پر مصیبت یہ واقع ہوئی۔ کہ حضور ہادیئے اسلام علیہ السلام کی محسنہ اور جان نثار بیوی ہمیشہ کی ساتھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی تیسرے دن انتقال فرما گئیں اس وقت حضور علیہ السلام نہایت مغموم ہوئے۔ کیونکہ آپ کے دو بہت بڑے غمگسار آپ سے جُدا ہو گئے۔

اسی لئے آپ نے اس کا نام عام الحزن رکھا۔ (رنج وغم کا سال) بے شک آپ کا غم و الم ہفتہ دو ہفتہ مہینے دو مہینے سال دو سال کا نہ تھا۔ اکٹھے دس سال گزر گئے ہیں۔ اور کفار کا یہ حال ہے۔ کہ پھر بھی آرام نہیں لینے دیتے۔ اور اسی طرح آپ کو تکالیف و مصائب کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ اور آپ ہیں۔ کہ اُسی طرح استقلال میں نوح اور صبر میں ایوبؑ اور فرمانبرداری میں ابراہیم اور ثابت قدمی و دلیری میں موسٰے و ہارون اور شجاعت میں داؤد بنے ہوئے ہیں۔

چنانچہ اسی ہمت و استقلال اور صبر و تحمل کی طرف اللہ تعالےٰ اشارہ فرماتے ہیں "یعنی کیا ہم نے تیرا سینہ کشادہ اور فراخ جو تمام تنگیوں اور مصیبتوں کو برداشت کر سکتا ہے"۔

سچ ہے۔ اگر خدا کی طرف سے شرح صدر نہ ہو۔ تو ایسی ہمت و استقلال کے ساتھ کوئی انسان اتنی دراز مدت تک اس قسم کی سختیاں نہیں اٹھا سکتا۔

الغرض کفّار میں سے کوئی کافر نہ آپ کی بات اور پند و نصایح سنتا اور نہ کلام ربّانی کو کانوں تک پہنچنے دیتا۔ مگر پھر بھی حضور ہادئے اسلام علیہ السلام گھر گھر اور قبیلہ قبیلہ میں وعظ سنا کر پیغام الٰہی پہنچایا کرتے۔ اور ہر ایک قبیلہ کے شرفا سے آپ یہی التجا کرتے۔ کہ میں تم کو کسی بات پر مجبور نہیں کرتا۔

سفرِ طائف

جب حضور علیہ السلام کو مکّہ کے لوگوں سے ہر قسم کی نا امیدی ہو گئی۔ اور اُن کی شرارتیں بڑھ گئیں۔ تو آپ نے طائف کا عزمِ سفر اس غرض سے کیا۔ کہ شائد وہیں کوئی اسلام کا وعظ کرنے دے۔ آخر مکہ سے روانہ ہو کر پا پیادہ طائف پہنچے۔ زید بن حارث ہمراہ تھے۔ باوجودیکہ مسافر کی حمایت اور مہمان نوازی عرب کا

عام دستور تھا۔ مگر خدائے واحد کی طرف بلانے والے
کو اس قوم جاہل میں اَمن کہاں، طائف کے
رؤسا نے پناہ دینا تو درکنار چند آوارہ نوجوان لڑکوں کو
آپ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے اس عظیم الشان
مہمان پر پتھر چلائے۔ کنکر برسائے۔ گالیاں دیں اور آوازے
کسے۔ حضور ہادئے اسلام کا جسم مبارک زخموں سے چور چور
اور لہو لہان ہو جاتا۔ اور خون بہ بہ کر کفش مبارک میں
جم جاتا + اور وضو کے لئے جوتا اُتارنا دشوار ہو جاتا۔ چنانچہ
ایک روز ایسے گہرے زخم آئے۔ اور ایسی شدید ضربات
لگیں۔ کہ حضور علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے + زید رضؓ
اُٹھا کر آبادی سے باہر لے گئے۔ چھینٹے دینے سے ہوش
آیا۔ نا امید اور شکستہ دلی کے ساتھ ایک باغ میں انگور کی
ایک بیل کے سایہ میں جا بیٹھے۔ حضورؐ کو بیٹھے بیٹھے اہل
مکہ اور اہل طائف کی ایذا رسانی کا کچھ خیال سا آ گیا۔
اور کسی قدر مغموم ہوئے تو اُسی وقت آپؐ کو خدا کی طرف
سے الہام ہوا۔ کہ اگر تو چاہے۔ تو اس شہر
کو شہر کوتہ و بالا کر دیا جاوے۔ مگر آپ نے معاً یہ عرض
کیا۔ میں اُمید کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ انہی میں ایسے لوگ
پیدا کرے گا۔ جو خدائے وحدہٗ لاشریک کی پوجا کریں گے +

آخر وہاں سے پھر مکّہ میں تشریف لائے ؛

معراج شریف

جبکہ حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام اپنی پامردی ومردانگی اور
دامی استقلال کے ساتھ بارہ برس کامل دُکھ اور تکالیف میں
ثابت قدم رہ کر بڑے بڑے اہم معاملات میں کارنمایاں کرچکے۔
یعنی قرآن مجید کی اشاعت اور بُت پرستوں کو مجبور ومعقول کرکے
بُت پرستی اور بتوں کے استیصال کے سامان مہیا کر چکے۔ اور دہریوں
معقول دلائل سے عاجز کرکے انہیں قائل وجود صانع عالم کرالیا۔
اور اہل کتاب کو اُن کے مشرکانہ افعال پر متنبہ کرکے شرک
اور کفریات کی بنیاد کو متنزلزل کر دیا ؛ اور چار دانگ عالم میں
ایک عجیب انقلاب کی صورت پیدا کرکے تہلکہ ڈال دیا۔ اور
دنیا میں توحید فی الذات اور توحید فی الصفات اور
فے العبادات کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اور تمام تعلقات
اسباب کو لاالٰہ الا اللہ کہہ کر مٹا دیا۔ اور رجب اِن
کارہائے نمایاں کی انجام دہی وبجا آوری میں حضور ہادیٔ
اسلام علیہ السلام تمام اپنے ہم مشرب اور ہم مذہب

انبیاء علیہم السلام میں سبقت لے گئے۔ تو اُس کے صلہ میں بارگاہِ یزدانی سے حضور علیہ السلام کو معراج شریف کا بلند مرتبہ عطا کیا گیا۔ اور معزز خطاب سید المرسلین اور مبارک لقب اشرف الانبیاء سے سرفراز و ممتاز ہوئے۔ چنانچہ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام بروایات کتب احادیث معتبرہ بحسب معمول نبوت کے بارہویں سال ماہ رجب کی ستائیسویں شب کو کعبہ میں بہ یادِ الٰہی مشغول تھے۔ اور آپ نے وہیں خواب استراحت فرمائی ۔

کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر بیدار فرمایا۔ اور جناب باری کی یاد آوری کا پیغام سنا۔ غرضیکہ آپ وہاں سے بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ سے عرش معلے ولامکان تک اپنے جسم مقدس کے ساتھ تشریف لے گئے چنانچہ خداوند تبارک وتعالےٰ اپنے حبیب پاک حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال عروج کی ابتداء یوں بیان فرماتا ہے

ترجمہ "پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصےٰ تک لے گیا جس کے دور کو ہم نے برکت دی۔ تاکہ ہم اس کو اپنے نشانوں میں سے دکھا دیں۔ بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے"۔ اس سفر معراج میں حضور علیہ السلام نے بارگاہ یزدانی کی خاص

حضوری حاصل کی۔ اور نورا حدیت سے بلا کسی حجاب کے واصل ہو کر بڑے عظیم الشان نشانات اور لاکھوں آثار قدرت کا مشاہدہ فرمایا چنانچہ خدا وند کریم فرماتے ہیں **ترجمہ** اس کی آنکھ نے کجی نہیں کی اور غلطی نہیں کھائی ضرور اپنے رب کے بڑے بڑے نشانات دیکھے اس کے بعد کچھ اسرار مخفی جو روحانی تعلیم اور تزکیہ نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔ وحی کئے گئے ؛

ترجمہ پھر اپنے بندے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُن عظیم الشان اسرار کو ڈالا۔

جب محبوب خدا رونق افزائے عالم ہوئے۔ یعنی عرش سے فرش پر تشریف۔ تو عالم بالا کے عجائبات جو مشاہدہ کئے گئے تھے۔ وہ اور دیگر احکام جو اُمت مرحومہ کے حق میں حاصل ہوئے۔ سب تبلائے ؛ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سنکر تمام باتوں کی تصدیق دل تصدیق کی ؛ اور صدیق اکبر رضؓ خطاب پایا۔ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی واقع معراج پر ایمان لاکر جملہ احکام الٰہی کی پابندی اور بجا آوری میں سر گرم ہوئے۔ لیکن ابو جہل سراپا جہل نے اپنی فرعونیت سے واقعۂ معراج کی تکذیب کرکے

اپنے ہم خیال لوگوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات پھیلائے۔ اور زندیق مشہور ہوا۔

چونکہ کفارِ مکہ دیدارِ الٰہی اور واقعہ شب معراج سے منکر ہو کر حضور ہادئے اسلام علیہ السلام کی شان مبارک میں زیادہ گستاخی اور بے ادبی سے پیش کرنے لگے تھے۔ اور واقعہ معراج کو از راہ تعجب محال سمجھتے تھے۔ اس لئے خداوند کریم نے اُن کا تعجّب رفع کرنے کے لئے اپنے محبوبؐ پاک کے تقرب اور مشاہدہ کی کیفیت معقولی طور پر قرآن شریف میں اس طرح بیان فرمائی۔ ترجمہ

پھر نزدیک کھڑا ہوا۔ اور پاس کھڑا ہوا۔ پس دو کمانوں کے درمیانی فاصلہ کے برابر یا اُس سے بھی نزدیک تر ہو گیا۔

عرب کا دستور تھا۔ کہ جب دو آدمی باہم دوستی واتحاد پیدا کرتے۔ تو دونو معاہدہ کنندہ اپنی اپنی کمانوں کو باہم ملا دیتے۔ اور اس طرح ملانے کے بعد دونو معاہدہ کنندہ ایک تیر اُن دونوں کمانوں میں (جو اب بلکہ ایک ہو گئی تھیں) رکھ کر چھوڑتے۔ اور یہ رسم عرب اس امر کا نشان ہوتا تھا۔ کہ اس وقت کے بعد ایک کمان والے کا دوست دوسرے کمان والے کا دوست ہے۔ اور ایک کمان والے کا دشمن دوسرے کمان والے کا دشمن ہو گا۔

مندرجہ بالا خدائی حوالجات میں "بندے کو لے گیا" "آنکھ" "ہو گئی" "نزدیک" "پاس کھڑا" کے الفاظ اس امر پر صریحاً دلالت کرتے ہیں۔ کہ معراج شریف جسد عنصری کے ساتھ ہوا۔ اور جن لوگوں نے لفظ رویا کے اصطلاحی معنوں میں پھنس کر کچھ کا کچھ لکھدیا۔ اور واقعہ معراج کو ایک خواب سمجھا۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ در اصل لفظ رویا کا ماخذ ہے۔

رویت چنانچہ ملاحظہ ہو۔ قرآنی آیت کا ترجمہ

"اور نہیں کیا۔ ہم نے اس رویا کو جو تجھ کو دکھایا۔ مگر واسطے آزمائش لوگوں کے"

اپنے محبوب پاک کے مشاہدہ اور دیدار کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

اس دل نے جو دیکھا۔ خوب دیکھا۔ (یعنی مطالعہ نہیں کھایا گیا (مشتر کو)۔ تم اس کی دید پر جھگڑتے ہو"

ہجرت مدینہ

ملک عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے یہ رسم چلی آتی تھی۔ کہ مضافاتِ مکہ سے لوگ مکہ معظمہ میں حج کرنے

کرتے تھے - اور یہ رسم حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کی یادگار ہے - کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام نے اس مقدس گھر یعنے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا اور انھوں نے ہی آداب اور ارکانِ حج مقرر فرمائے تھے - نبوّت کے گیارہویں سال حج کے موقع پر کچھ آدمی مدینہ سے بھی حج کے لئے مکہ معظّمہ میں آئے -

اس زمانہ میں حضور ہادئے اسلام علیہ السلام کو اپنی قوم سے سخت مایوسی ہو چکی تھی، مگر پھر بھی حضورؐ نے حاجیوں کے مجمعہ میں بڑی جرأت اور دلیری سے خانہ کعبہ کے اندر تشریف لا کر اس شدو مد سے اسلام اور توحید کا وعظ کہنا شروع کیا - کہ تمام مشرکین مکّہ سُنکر ہکّے بکّے رہ گئے - حضُور کے مواعظ حسنہ کا اہلِ مدینہ پر بے حد اثر ہُوا - اور ان میں سے چھ آدمی وہ مشرف باسلام ہوئے - کہ جنہوں نے مدینہ کے یہودیوں سے سُن رکھا تھا - کہ عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل اور صاحبِ شریعت ہو گا - جس کے تابع ہو کر ہم لوگ منکرانِ دین پر فتح و نصرت حاصل کریں گے غرضیکہ یہ لوگ نخلستانِ مدینہ کے خوش نصیب باشندوں کے لئے اپنے ہمراہ یہ مژدہ جانفزا لیتے گئے - کہ خاص مکّہ میں ایک نبیؐ پیدا ہُوا ہے - جو اپنی بعثت کی غرض یہ بتاتا ہے - کہ تمام بندگانِ خدا کو خدائے واحد کی پرستش پر قائم کروں -

یہ سنتے ہی جناب رسالتمآبؐ اور دین متین کا چرچا وہاں عام طور پر ہونے لگا۔ چنانچہ کوئی گھر اور کوئی مجمع اور کوئی صحبت ایسی نہ تھی جہاں آپ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو۔

نبوّت کے بارھویں سال ساٹھ آدمی قبیلہ خزرج کے مکہ میں آئے۔ اور حضور علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور آپ سے بیعت میں یہ عہد کیا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ گردانیں گے۔ نہ چوری اور نہ زنا کریں گے۔ اور نہ ہی قتل اولاد کے مرتکب ہوں گے۔ یعنے نہ تو اُن کو بتوں پر بھینٹ چڑھائیں گے۔ اور نہ بوجہ غیرت یا افلاس قتل کریں گے۔ غیبت اور بدگوئی سے پرہیز کریں گے اور ہر امر میں خدا و رسول کے تابع رہیں گے۔ اور رنج و راحت میں مسلمانوں کے شریک حال ہونگے پھر حضور علیہ السلام نے اُن کی درخواست کے موجب اسلام کی تعلیم کے واسطے حضرت مصعب بن عمیر کو اُن کے ہمراہ کر دیا۔ مدینہ منورہ میں کلام الٰہی کے وعظ اور اسلام کی اشاعت نے ایسا اثر کیا۔ کہ بہت سے لوگوں نے شرک اور بُت پرستی سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی ہی جماعت بن گئی ❖

❖ ❖ ❖

نبوّت کے تیرھویں سال ایام حج میں مصعب بن عمیر مع بہت سے مسلمانوں کے واپس مکّہ میں آئے۔ اور حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مدینہ والوں میں سے بہتر مردوں اور دو عورتوں نے اسلام قبول کیا ؛

اور ان سب نے حضور ہادئے اسلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور عرض کیا۔ کہ اگر حضور اور حضور کے اصحاب ہمارے شہر میں رونق افروز اور وہاں قدم رنجہ فرما کر ہم کو سرفرازی بخشیں۔ تو ہم سب حضور کی خدمت گزاری اور اطاعت میں کسی قسم کی کمی نہ کریں گے اور اگر حضور کا کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ کر آئے گا۔ تو ہم اُس کے دفعیہ کے لئے اپنی جان تک لڑا دیں گے ؛ اور اصحاب رسول اللہ صلعم کو اور خود رسول کریم کو ہر قسم کی امداد اور حتی الوسع آرام دے کر انصار اللہ میں داخل ہونا دل و جان سے چاہتے ہیں ؛

اس گفت و شنید کے بعد حضور ہادئے اسلام نے اُن ہی لوگوں میں بارہ آدمی اُن کے قبیلہ کی ہدایت کے واسطے اس طرح منتخب کئے۔ کہ جس طرح حضرت موسٰے علیہ السّلام نے اپنی قوم میں سے بارہ آدمی مقرر کئے تھے۔ اس بعیت کو بعیت ثانیہ اور نبوت کے

بارھویں سال جو بعیت ہوئی تھی۔ اُس کو بعیت اولے کہتے ہیں ؛

ان دونوں بعیتوں کے درمیان جو زمانہ گزرا ہے۔ وہ ان زمانوں سے بھی سخت بارہ سال گزر چکے تھے۔ چنانچہ اس سختی اور صعوبت کے مقابلہ میں حضور ہادئے اسلام علیہ السلام سے جو صبر۔ توکل۔ ثبات ظہور پذیر ہؤا۔ اس کے متعلق مخالف اسلام سر ولیم صاحب لکھتے ہیں کہ "پیغمبر اسلام اس طرح سے دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے۔ اور فتح مبین کے منتظر تھے۔ اور ظاہرا بے یارو مددگار تھے۔ اور اُن کے اصحاب کا چھوٹا سا گروہ گویا شیر کے منہ میں تھا۔ تاہم اُن کو اُس قادر مطلق پر پورا بھروسا تھا۔ اور اُن کے پائے ثبات و استقلال میں سر مو لغزش واقع نہ ہوئی۔ غرض اس مصیبت و تنہائی میں وہ ایسے عالی مرتبہ و جلیل الشان معلوم ہوتے تھے۔ کہ کتب مقدسہ سماویہ میں اُن کا کوئی عدیل و نظیر دکھائی نہیں دیتا تھا ؛

الغرض مشرکین مکہ کی آتش کینہ و فساد آتش دوزخ سے بھی زیادہ شعلے مار رہی تھی۔ اور مسلمانوں کو مکہ میں کسی جگہ پناہ نہیں ملتی تھی۔ آخر حضور ہادئے اسلام علیہ السلام نے مجبور ہو کر مسلمانوں کو جو ایذا رسانیٔ کفار سے بہت تنگ آ چکے تھے۔ مدینہ کو ہجرت

کر جانے کی اجازت دی۔ اور جُوں جُوں جس طرح جس کسی کو موقع ملا۔ آہستہ آہستہ چلتے گئے۔ اس طرح مکہ کے گھر کے گھر ویران اور غیر آباد ہو کر سنسان اور ہُو کا مکان ہو گئے ؛

جب حضور علیہ السلام کے جان نثار صحابہ کرام ایک ایک دو دو تین تین کر کے مدینہ کو چلے گئے۔ تو کفّار اور مشرکین مکہ کو یہ اندیشہ ہؤا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ محمد (صلعم) بھی مکہ سے چلے جائیں اور پھر قابو میں نہ آسکیں ؛ اس لئے بہتر ہے کہ کوئی ایسی تجویز کی جائے۔ جس سے ہمیشہ کے لئے یہ بکھیڑا ہی پاک ہو جائے ؛ غرضیکہ انہوں نے ایک اہم جلسہ کر کے ابوجہل ملعون کی اس تجویز سے ؛

اتفاق کیا کہ قریش کے تمام قبائل میں سے ایک ایک یا دو دو آدمی منتخب ہوں۔ اور رات کو سب جمع ہو کر محمد (صلعم) کے مکان میں یک دم گھس کر اس کو اس طرح قتل کر دیں۔ کہ جس سے کسی خاص شخص پر قتل کا الزام نہ آئے۔ جب مشرکین مکہ منصوبہ گانٹھ کر قتل حضور کی ایک رات تجویز کر چکے اور اس نالایق کام کے لئے ہر ایک قبیلہ سے آدمی بھی منتخب ہو چکے۔ تو اُس محافظِ حقیقی نے اپنے پیارے نبی کو اُن کے فاسد ارادہ سے فوراً اطلاع دے دی ؛

جب حضور علیہ السلام بذریعہ الہام اس خوفناک ارادہ سے

آگاہ ہو گئے تو آپ نے اپنے دو جان نثار صحابہ کو مطلع کیا جن میں سے حضرت علیؓ نے بسترِ نبوی پر بحکم رسول سونا قبول کیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اپنے ہمراہ لے کر عین اُس وقت نکلے۔ جبکہ کفار خانہ نبوی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ تاہم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک کھڑکی سے اِس طرح نکل کر گئے۔ کہ مشرکین کور باطن محسوس بھی نہ کر سکے ؛ اور یہ وعدہ الٰہی کامل طور پر پُورا ہُوا۔ کہ اللہ بچا لے گا۔ تجھے لوگوں کے گزند سے" ؛

غرضیکہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پا پیادہ گھر سے نکل کر غار ثور کی جانب چلے۔ نعلین مبارک پائے نازک سے اتار لیں۔ اور انگلیوں کے بل اس خیال سے چلتے تھے کہ نشانِ قدم معلوم نہ ہوں۔ اس طرح کچھ دُور چلنے سے محبوبِ پاک کے پائے مبارک سنگریزوں سے زخمی ہو گئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شہنشاہ بحر و بر سید المرسلین کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا پھر کے اندر محبوب پاک کو لے گئے۔ حضور علیہ السلام رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زانوئے مبارک پر سر رکھ کر کچھ دیر کے واسطے آرام فرما ہو گئے۔ اس اثنا میں کسی سوراخ سے نکل کر ایک سانپ نے حضرت ابوبکرؓ

کے پاؤں میں کاٹا۔ باوجودیکہ سانپ کی اُس نیش زنی نے حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہٗ کو بے تاب کر دیا۔ مگر اس خیال سے۔ کہ مبادا محبوب خدا کے آرام میں خلل واقع ہو اُف تک نہ کی۔ اور جیسے بیٹھے تھے۔ بدستور بیٹھے رہے جب حضور علیہ السلام بیدار ہوئے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سانپ کے کاٹنے کا واقعہ معلوم کر کے نہایت ہمدردی اور شفقت فرمائی: اور جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ وہاں اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ جس سے اثر زہر فوراً رفع ہوگیا۔ پھر کچھ دیر کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے آرام کیا۔ اور آپ نگران رہے۔

حضور علیہ السلام کے دولت خانہ سے باہر نکل جانے کے بعد کفّار جو خانہ اقدس کو گھیرے ہوئے تھے: قتلِ رسول کریمؐ کے ارادہ سے اندر گھس آئے۔ لیکن دیکھا۔ کہ بستر پر حضرت علیؓ لیٹے ہیں۔ اُن کی یہ جان نثاری اور صبر و استقلال دیکھ کر اُن خونیوں کو بھی رحم آ گیا۔ اور ان کو زندہ چھوڑ کر حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام کی تلاش میں نکلے مشرکین مکہ نے حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی گرفتاری کے لئے ایک سو اُونٹ انعام مقرر کر کے اعلان کر دیا۔ کہ جو شخص محمد (صلعم) اور ابو بکر صدیقؓ کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اُس کو ایک سو اونٹ انعام میں

چندہ کر کے دیئے جائیں گے۔ چنانچہ اس طرح بہت سے مشرکین حضور علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ اور کچھ لوگ غار ثور تک بھی پہنچ گئے۔ لیکن وہ اس بات کو باور نہ کر سکے۔ کہ ایسے تنگ منہ کی غار میں ایک آدمی کا جسم بھی سما سکتا ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ اس وقت اس غار میں موجود تھے۔

علاوہ ازیں قدرت ایزدی نے اپنا ایک اور کرشمہ دکھایا۔ کہ جس وقت حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیقؓ غار کے اندر داخل ہو گئے۔ تو اسی وقت مکڑی نے حکم خدا سے دہانہ غار پر جالا تن دیا۔ اور ایک کبوتری نے اس پر انڈے دیئے۔ جس سے کفار نے سمجھا۔ کہ اس کے اندر کوئی آدمی جا نہیں سکتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غار کے اندر سے مشرکین کو دیکھ لیا۔ اور حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ یا حضرت قریب ہے۔ کہ کافر ہم کو دیکھ پائیں۔ حضور نے بڑی دلیری اور استقبال کے ساتھ فرمایا۔ کہ

غم نہ کھاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہمیں بچا لے گا۔

غرضیکہ حضور علیہ السلام متواتر تین دن تک غار ثور میں مقیم رہے پھر اس کے بعد سواری کا سامان بہم پہنچنے پر غار سے باہر نکلے۔ اور مدینہ کی طرف اس صورت سے چلے۔ کہ تعاقب اور گرفتاری کے ڈر سے مقررہ راستہ سے علیحدہ علیحدہ کترا کر چلتے

سے چلے کہ تعاقب اور گرفتاری کے ڈر سے مقررہ راستہ سے علیحدہ علیحدہ کترا کر چلتے تھے۔ تاہم متلاشیوں میں سے ایک کافر سراقہ بن مالک مدینہ کی راہ سے سواونٹ کی طمع سے آپ کے نہایت قریب پہنچ گیا۔ مگر حضورؐ کی بد دعا سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھس گئے۔ اور وہ خاک پر سر کے بل گر پڑا۔ جب اُس کو معلوم ہوا۔ کہ یہ آپ ہی کی بد دعا کا اثر ہے۔ تو فوراً حضور علیہ السلام سے عفوِ تقصیر کا خواستگار ہوا۔ حضورؐ کے دعا فرمانے پر اُس کا گھوڑا زمین سے نکلا۔ یہ شخص کچھ عرصہ کے بعد مسلمان ہو گیا۔

جس وقت حضور ہادئے اسلام علیہ السلام مدینہ کے قریب پہنچے۔ تو سب سے پہلے ایک یہودی نے علاماتِ مندرج کتب کی رُو سے دُور سے ہی دیکھ کر آپؐ کو پہچان لیا۔ جس کا مذکور قرآن میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت قرآنی کا ترجمہ:

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اِس کو (یعنی حضور ہادئ اسلام کو) اس طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح اپنے بیٹوں کو۔"

۲۲ جون ۶۲۳ء کو جبکہ نہایت شدّت سے گرمی پڑ رہی تھی اور لوئیں شعلہ فشاں اخگر ریزی کا کام کر رہی تھیں۔ اور زمین کی طپش اور آفتاب کی تمازت سے زمین و آسمان تک کرۂ نار یا تنورِ آتشیں نما ہوا تھا۔

حضور ہادئی اسلام نے اپنی سواری کے ناقہ سے اُتر کر مدینہ طیبہ کی مقدس زمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے برکت اور سرفرازی بخشی، جہاں حضور علیہ السلام نے اوّل اپنا قدم مُبارک رکھا۔ وہ وہی زمین مقدس ہے۔ جہاں اب مسجد قبا موجود ہے۔

حضور کے معتقدین نے جب آپ کی آمد کی خبر سُنی۔ تو اُنہوں نے اپنے پیارے ہادی کا بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا۔ اور نہایت تعظیم و تکریم شاہانہ سے پیشوائی کر کے شہر کے اندر لے گئے۔ اور ہر شخص کی یہی تمنّا اور یہی آرزو تھی۔ کہ یہ عظیم الشان مہمان میرے ہی گھر مہمان ہو۔ تاکہ اس میزبانی میں سعادت دارین حاصل کروں لیکن حضور ہادئے اسلام نے اپنے جان نثاروں میں سے ایک پر دوسرے کو ترجیح دے کر کسی کے گھر مہمان ہونا گوارا نہ فرمایا۔ کیونکہ اِس صورت میں عام دلشکنی ہوتی۔ جو خلقِ محمدی کے خلاف تھی۔ اس لئے آپ نے یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ جہاں ہماری سواری کا ناقہ خود بخود جا کر بیٹھے گا۔ اور وہاں سے جس کسی کا بھی گھر قریب ہوگا، پہلے ہم اُس کے ہاں ٹھہریں گے۔ چنانچہ اونٹنی وہاں جا کر بیٹھی۔ جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ اور چونکہ یہاں سے خالد بن یزید معروف بہ ابو ایوب انصاری کا مکان نہائیت نزدیک تھا۔ اسلئے حضور ہادئے اسلام اس کے مکان میں جلوہ افروز ہوئے ؛

آمد محبوب رب العالمین ﷺ کی خوشی میں انصار رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی لڑکیوں نے عربی نعتیہ اشعار کچھ اس قدر ذوق قلب اور خوش الحانی سے پڑھے۔ کہ ہر چہار سمت تہنیت ومبارک باد کا غلغلہ تھا۔ اور مہاجر و انصار محبوب پاک کے دیدار فرحت آثار سے مشرف ہو کر اپنے جاموں میں پھولے نہ سماتے تھے۔ یہ بھی ایک عجیب محفوظ کُن سماں اور دلکشں نظارہ تھا۔ کہ مہاجرین اور انصار کے چہروں پر یا تو اپنے پیارے اور سچے ہادیؑ کی طرف سے مایوسی کے آثار ہویدا تھے۔ یا معاً اپنے مولا و ہادیؐ کی صورت دیکھتے ہی اُن کے دلوں میں نورِ ایمان چمکا۔ اور اس کی شعاعوں سے ہر ایک کا چہرہ چمکنے لگا۔ جس سے ہر ایک صورت چودھویں رات کا چاند نظر آتی تھی۔

حضورؐ ہادیٔ اسلام کے مدینہ شریف تک صحیح و سلامت پہنچ جانے اور کفار کے منصوبے بیکار جانے کے متعلق خداوند تبارک و تعالےٰ اپنے رسول پاک کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ ترجمہ

جبکہ کافر لوگ تیری نسبت منصوبے باندھ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں۔ یا وطن سے نکال دیں۔ یا قتل ہی کر دیں اور وہ اپنے منصوبے باندھ رہے تھے۔ اور خدا بھی اپنی تدبیر کر رہا تھا۔ اور خُدا کی تدبیر سب پر غالب آئی۔ وہ سب سے

بڑا تدبیر والا ہے ؏

اہلِ مدینہ کا قبولِ اسلام اور معاہدۂ یہود

مدینہ منورہ میں حضور ہادیٔ اسلام کے تشریف فرما اور رونق افروز ہونے پر کثرت سے اہلِ مدینہ حضور کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ انہی میں عبداللہ بن سلام بھی علمائے یہود میں سے ایک جلیل القدر فاضل کتب سماویہ تھے وہ محبوب پاک کا روئے مبارک دیکھتے ہی بے اختیار پکار اُٹھے کہ ؏

لیس ہٰذا لوجہ الکذّاب

یہ چہرہ جھوٹوں کا نہیں معلوم ہوتا۔ اور کچھ سوال وجواب کرنے کے بعد عبداللہ بن سلام اور تمام حاضرین نے حضور علیہ السلام کے دعوائے مثیلِ موسیٰ ہونے کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے ؏

اس مجمع میں سلمانؓ فارسی (جنہوں نے اہل کتاب سے اس نبی موعود کی بعثت کی خبر سُن رکھی تھی) موجود تھے۔ وہ بھی حضور فخرالمرسلین پر ایمان لائے۔ مگر اکثر یہودی باوجودیکہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل آپ کی بشارات کتب مقدسہ میں سے پڑھ کر عوام میں علانیہ بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن جب حضور خود مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے۔ تو بغض و حسد و تعصّب اور نفسانیّت و حُب جاہ و ریاست اور دنیا کی محبت نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ جس سے وہ نہ صرف دولت ایمان سے ہی محروم رہے۔ بلکہ وہ لوگ جو حکومتِ مدینہ کے امیدوار تھے۔ حضور ہادیٔ اسلام کے خلاف معندانہ تحریک اور خفیہ شرارتیں میں مصروف ہوگئے۔ یہ حال دیکھ کر حضور ہادیٔ اسلام کے خلاف معندانہ تحریک اور خفیہ شرارتیں میں مصروف ہوگئے۔ یہ حال دیکھکر حضور ہادیٔ اسلام نے ایک عام فرمان یہود کے نام اس غرض سے جاری کیا۔ کہ یہود کو اپنے شخصی اور نوعی یا ملکی اور اپنے اعمال مذہبی کی نسبت ہمارے سبب سے جو خدشہ پیدا ہُوا ہے۔ وہ اُن کے دلوں سے رفع ہو جائے۔ اور اسلام کی روشنی بمصداق لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۝ اطمینان سے بیٹھے دیکھیں۔ اس فرمان یعنی معاہدہ کا مضمون جو قواعد عامہ سیاستِ مدن اور حقوق و فرائض عباد اور مذہبی آزادی کے متعلق ہے۔ اُس کا ترجمہ یہاں پر

لکھا جاتا ہے ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ فرمان محمد رسول اللہ ؐ نے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ اہلِ قریش سے ہوں۔ خواہ اہل یثرب (یعنی سکنائے مدینہ سے) اور سب لوگوں کو خواہ کسی مذہب اور قوم کے ہوں جنہوں نے مسلمانوں سے صلح و آشتی رکھی ہے۔ لکھ دیا ہے۔ کہ صلح اور جنگ کی حالت سب مسلمانوں کے لئے عام ہوگی۔ اور کسی مُسلمان کو یہ اختیار نہ رہے گا۔ کہ اپنے برادران اسلام کے خلاف دشمنوں سے صلح یا جنگ کرے۔ یہود جو ہماری حکومت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام ذلتوں اور اذیتوں سے بچائے جائیں گے۔ اور ہماری اُمت کے ساتھ اُن کو ہماری نصرت و فتح اور حمایت و حسنِ سلوک کے مساوی حقوق حاصل رہیں گے۔ یہود بنی عوف۔ بنی نجار۔ بنی حارث۔ بنی جسم۔ بنی غالب بنی اوس۔ اور سب ساکنان یثرب مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم سمجھی جائیگی ؛ اور اپنے اعمال مذہبی کو ویسے ہی

آزادی کے ساتھ بجا لائیں گے۔ جیسے مسلمان اپنی رسوم دینی کو ادا کرتے ہیں۔ یہود کی حفاظت و حمایت میں جو لوگ ہیں۔ یا جو اُن سے دوستی رکھتے ہیں۔ اُن کو بھی تحفظ اور آزادی حاصل رہے گی۔ مجرموں کا تعاقب کیا جاویگا۔ اور اُن کو سزا دی جائے گی:

یہود و مسلمان مدینہ کو سب دشمنوں سے بچانے میں کوشش کریں گے: اور تمام وہ لوگ جو اس فرمان کو قبول کریں گے مدینہ میں محفوظ اور امن سے رہیں گے۔ مسلمانوں اور یہود کے دوستوں اور آشناؤں کا بھی ویسا ہی اعزاز کیا جائے گا:

جیسا خود اُن کا کیا جائے گا۔ سب سچے مسلمان اُس شخص سے بیزار رہیں گے۔ جو کسی گناہ یا ظلم یا نااتفاقی یا بغاوت کا مُرتکب ہو گا۔ اور کوئی شخص کسی مجرم کی حمایت نہ کرے گا۔ خواہ وہ کیسا ہی عزیز و قریب کیوں نہ ہو۔ اور اُن لوگوں کے تنازعات جو اس فرمان کو قبول کریگے؛ کا فیصلہ خداوند عالم کے حکم کے موافق خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماویں گے:

گو شہنشاہِ بحرو بر حضرت محمدؐ مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے منصبِ رسالت و نبوّت کی وجہ سے اپنی امت کے حاکمِ اعلےٰ تھے۔ مگر اس فرمان اور عہد و پیمان کی وجہ سے آپ کو تمام اہلِ یثرب مُسلم و غیر مسلم سب پر حکومت حاصل ہو گئی:

تعمیر مسجد نبوی

حضور ہادیئے اسلام علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں پہنچنے کے چند روز بعد مسجد نبوی اور بیت الشرف کی تعمیر کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ مہاجرین کی رہائیش کے لئے مکانات اور مسجد نبوی کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس زمین پر مسجد نبوی تعمیر ہے ‌‌‌‌٭ وہ زمین دو بھائیوں کی ملکیت میں تھی۔ انہوں نے اپنی اس مملوکہ زمین کو مسجد کے واسطے ہبہ کرنا چاہا ٭ مگر چونکہ وہ دونو بھائی یتیم تھے۔ اس لئے اُس نبیٔ رؤف و رحیمؐ نے اُن کو وہی قیمت دی۔ جو قرار پائی تھی۔ اس مسجد مقدس میں محبوبِ کبریا صلعم نے اپنے دستِ مُبارک سے اسی طرح مدد دی۔ جس طرح کعبہ کی تعمیر میں مدد دی تھی۔ عام لوگوں کو طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا۔ کہ جو مسجد اور مکانات شہنشاہ دوجہاں سردار انس و جان کے لئے تیار ہوئے ٭ وہ بڑے

ہی پُر تکلف اور عالیشان ہو ں گے۔ مگر یہ مسجد مقدس کیا تھی۔ صرف ایک چبُوترہ سا بنا کر اس پر کچی اینٹوں کی قد آدم ایک دیوار بنا لی گئی۔ جس کے سایۂ میں مسلمان نماز پڑھ لیتے اور پھر کچھ دِنوں کے بعد مسلمانوں کے عرض کرنے پر دھوپ سے بچنے کے لئے ستونوں کی جگہ کھجُور کی لکڑیاں گاڑ کر اور اُس پر پتّے اور گھانس پھونس ڈال کر ایک چھپّر سا بنا لیا۔ جس سے دُھوپ کا تو کسی قدر آرام ہو گیا۔ مگر بارش سے بچاؤ نہ تھا۔ اور اسی مسجد کی زمین کا ایک حصّہ اُن نادار اور مفلس مسلمانوں کے لئے جو اصحاب صفّہ کہلاتے ہیں۔ مخصوص کیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام کے اس عالم ظاہری سے تشریف لے جانے کے وقت تک مسجد نبویؐ کی صورت ایسی ہی تھی۔ کہ اُس میں بغیر فرش کے زمین پر اور کبھی ستونوں کے سہارے کھڑے ہو کر حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام طالبانِ حق کو وعظ و نصیحت اور دینِ الٰہی کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

اذان کا تقرر

تعمیر مسجد کے بعد اس بات کا وقت آیا۔ کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معیّن کئے جائیں۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی بڑا فرض تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اب تک روزہ۔ زکوٰۃ۔ نماز جمعہ۔ نماز عیدین۔ صدقہ فطر کوئی امر ظہور پذیر نہیں ہوا تھا۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا۔ کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی معیّن نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضور علیہ السلام نے اذان کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں اعلان نماز کے لئے بوق ناقوس۔ تر ہئی۔ اور گھنٹے گھنٹیاں گرجوں اور بتخانوں میں بجائے جانے کا رواج تھا۔ اس لئے بعض صحابہ نے یہی رائے دی۔ کہ انہیں باجوں میں سے کوئی باجہ پسند کر کے آپ اعلان نماز کے واسطے مقرر فرماویں۔ مگر ایسی مکروہ آوازوں سے حضور علیہ السلام کو پہلے ہی سے نفرت تھی اس لئے آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا۔ اور اس مسئلہ اذان کو زیر تجویز رکھا۔ چنانچہ ابھی تک کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی۔ کہ حضرت عمرؓ حضورؐ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے عرض کی۔ کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر

کیا جائے۔ جو کھڑا ہو کر اعلانِ نماز کیا کرے۔ حضور ہادیئے اسلامؐ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور معاً حضورؐ کی زبان فیض ترجمان پر الہاماً اذان کے متبرک الفاظ جاری ہوئے۔ اور آپ نے حضرت بلالؓ کو جو نہایت بلند آواز تھے۔ حکم دیا۔ کہ وہ مسجد نبویؐ کے چبوترے پر کھڑے ہو کر اذان کے کلمات طیبات سے اعلان نماز کر دیا کریں۔

مدینہ منوّرہ میں سب سے پہلا خطبہ

حضورؐ ہادیئے اسلام علیہ السلام نے ایک دن جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر مسجد اقدس میں فرمایا کہ اے لوگو پیشتر اس کے کہ تم اس دنیا کو چھوڑ و اپنے لئے اعمال صالح کا ذخیرہ آگے بھیجو۔ یقیناً جان لو قسم ہے۔ خدا کی۔ کہ ضرور ہی تم میں سے ہر ایک شخص ہولناک مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہے

جیسے کوئی اپنی بکریوں کو محافظ کے بغیر چھوڑ دے
اور بے شک خدا ہر ایک سے ایسے طور پر۔ کہ نہ تو
اس کے لئے کوئی ترجمان ہوگا۔ اور نہ کوئی روک ٹوک کرنے
والا دربان۔ یعنی رُوبرُو پوچھے گا۔ کہ ہمارا کوئی پیغمبر
تیرے پاس نہیں آیا تھا۔ اور اس نے ہمارے
احکام تجھ کو نہیں پہنچائے تھے اور ہم نے تجھ کو
بہت سا مال نہیں بخشا تھا۔ (تاکہ ہماری راہ میں
دے) اور اپنا فضل و احسان تجھ پر نہیں کیا تھا (تاکہ
اپنے بنی نوع کے ساتھ مہربانی اور نیکی سے پیش آئے)
پس بتا کہ تُو نے کیا چیز اپنے لئے آگے بھیجی تھی۔ پس اُس
وقت انسان اپنے دائیں بائیں دیکھے گا۔ اور کوئی چیز دکھائی
نہ دے گی جس کو بتا سکے۔ پھر سامنے کی طرف نظر کرے گا۔
اور اُدھر بھی جہنم کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ پس جس سے ہوسکے
اپنے تئیں اُس آگ سے بچائے۔ خواہ کھجور کے دانہ کا ایک
ٹکڑا ہی خدا کی راہ میں دے کر کیوں نہ بچائے۔ اور جس کو
اتنا بھی مقدور نہ ہو۔ کسی کے حق میں کوئی کلمۂ خیر ہی کردے
کیوں کہ بے شک آخرت میں ایک نیکی کا بدلہ دس
گُنا بلکہ سات سو گنا تک دیا جاوے گا۔ خدا کی
سلامتی اور برکت اور رحمت تم پر ہو۔

غزوات یا جہاد کا آغاز

جب حضور ہادیٔ اسلام نے مدینہ منوّرہ کو ہجرت کی۔ اور وہاں خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور آپ کے معتقدین کی جماعت دن بدن ترقی کرتی چلی گئی۔ تو قریشِ مکّہ کو خیال پیدا ہوا۔ کہ اگر مسلمانوں کا جلد ہی انسداد نہ کیا گیا۔ تو وہ زیادہ زور پکڑ کر غالباً مکّہ پر حملہ آور ہوں گے اور پھر ان کی چوٹ کو اہل مکّہ نہ روک سکیں گے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ خود پیش قدمی کر کے دارالنبوت (مدینہ منورہ) کا محاصرہ کرلیں۔ اور مسلمانوں کا سر کچل کر اسلام کو نیست ونابود کردیا جائے۔ چنانچہ اس خیالِ خام کی بنا پر انہوں نے مدینہ منوّرہ پر حملہ کی طیاریاں کردیں۔ اور پانچ سو آدمیوں کی جمعیّت سے سیف البحر اور مقام رابغ پر جاکر ڈیرے ڈالدیئے ادھر حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام بھی کفّار مکّہ کے بد ارادہ سے بے خبر نہ تھے۔ اس لئے اُن کے حالات اور خیالات دریافت کرنے کے لئے آپ نے اپنے آدمی روانہ فرمائے۔ تو ان کو میدان رابغ اور میدان سیف البحر میں کفّار مکّہ کے سوار نظر آئے۔ حضور علیہ السلام کو یقین ہو گیا۔

کہ مکّہ کے کافر ہم کو کبھی چین نہیں لینے دیں گے اور ساتھ ہی خداوند تبارک و تعالےٰ نے بھی آپ کو الہاماً فرما دیا۔ کہ ...

ترجمہ :- اہل مکّہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے۔ یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اگر اُن سے ممکن ہُوا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ یعنی آپ کے الہام کے تھوڑے دنوں بعد کرز بن جابر فہیری مکہ کے ایک کافر نے موقع پا کر مدینہ کی چراگاہ سے اہل مدینہ کے اونٹ چھین لئے۔ جب حضور علیہ السلام کو یہ معلوم ہُوا۔ تو آپ نہایت رنجیدہ ہوئے۔ اور آپ نے چاہ بدر تک اس کا تعاقب کیا۔ مگر غنیم دُور نکل گیا تھا۔

جنگِ نخلہ ماہ رجب ۲ھ

ایک قافلہ مکّہ والوں کا جو شام کو گیا ہوا تھا۔ وہ عنقریب واپس آنے والا تھا۔ اس لئے حضور علیہ السلام کو فکر ہوئی۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ کفار مکّہ مدد قافلہ کا بہانہ کر کے مدینہ پر حملہ کریں۔ اس لئے آپ نے پہلے تو سعد بن ابی وقاص کو دشمنوں کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ جب اُن کو کچھ پتہ معلوم نہ ہُوا۔ تو عبداللہ بن جحش کو مع دس

بارہ آدمیوں کے دشمن کے دریافتِ حالات کے لئے بھیجا عبداللہ بن جحش مقام نخلہ میں پہنچے۔ تو اُنہوں نے دیکھا۔ کہ کفّارِ مکہ کا قافلہ سامنے سے آ رہا ہے۔ عبداللہ بن جحش نے اس خیال سے۔ کہ کرز بن جابر فہیری ابھی تھوڑا عرصہ پہلے اہل مدینہ کے اونٹ لے گیا تھا۔ اگر یہ قافلہ سلامت مکّہ میں چلا گیا تو مسلمانوں کی کمزوری اہل مکہ کے دلوں میں بیٹھ جائیگی ۔ اور ناحق اُن کی دلیری کا باعث ہو گی۔ اور دشمنانِ دین کو مدینہ پر حملہ کرنے کی مزید قوت حاصل ہو گی ۔ اس لئے عبداللہ بن جحش نے قافلہ میں سے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ اور باقی اہل قافلہ کو قید کر کے مع مال و اسباب مدینہ میں لے آئے یہ معاملہ اگرچہ مکّہ والوں کی بدسلوکیوں اور زیادتیوں کے مقابلہ میں کچھ بھی مطابقت نہ رکھتا تھا۔ تاہم حضرت صلعم نے باقتضائے شانِ رحمت عبداللہ کی یہ کارروائی ایک قسم کی زیادتی خیال فرما کر بہ نظرِ حقارت دیکھا۔ اور قیدیوں کو مع مال و اسباب کے واپس کر دیا۔ اور مقتول کا خون بہا اُن کے حسب دلخواہ دے کر رخصت کیا۔ یہ منصفانہ طریقہ اس نبیٔ رؤف و رحیم کا واقعی اس قابل تھا۔ کہ اُس کے اثر سے اُن کے دل متاثر ہو کر حضور علیہ السلام کی رحم دلی کی قدر کرتے اور اپنی بدسلوکیوں پر نادم اور شرمندہ ہوتے ۔

مگر شرک کا جن کے دلوں پر پردہ پڑا ہُوا ہو۔ وہ ایسی نیک نیک باتوں کو خیال میں نہیں لاتے۔ غرضیکہ کفّار مکّہ ناحق انتقام کی تجاویز سوچنے اور بہانہ ڈھونڈنے لگے۔ اور خواہ نخواہ اس بات کے درپے ہوئے۔ کہ کسی نہ کسی طریقہ سے شارع اسلام اور اسلام کا خاتمہ کر دیں۔

غزوۂ بدر

انہیں ایّام میں ایک اور قافلہ مشرکین مکہ کا ملکِ شام سے آرہا تھا۔ جس میں اندازاً ۴۰ آدمی تھے۔ اور قافلہ سالار ابو سفیان تھا۔ کفّار مکّہ کو یہ موقع ہاتھ آیا۔ اور انہوں نے یہ حیلہ تراش ... عام لوگوں کو اُبھارا۔ اور لوگوں کو اُبھارا۔ اور بھڑکایا۔ اگر ابوسفیان کے قافلہ کے بچاؤ کے بہانہ سے فوراً قریش کا ایک ہزار خونخوار جنگی سواروں پر مشتمل لشکر جمع ہو گیا۔ جن میں سے ایک سو کے پاس عمدہ عربی جنگ آزما گھوڑے اور باقی کے پاس سواری اور باربرداری کے سات سو اونٹ تھے۔ غرضیکہ یہ سارا جرّار لشکر مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے چل پڑا۔

اُس وقت مدینہ منوّرہ میں حضور ہادئ اسلام علیہ السلام

کو بھی یہ خبر پہنچی۔ یہ بہت ہی بڑا اور نازک وقت تھا۔ کہ اگر ایک ہزار سواروں کا لشکر مدینہ کی دیواروں تک پہنچ جاتا۔ تو اُس کی مدافعت کرنی غریب مسلمانوں کے لئے مشکل ہو جاتی۔ ایک تو غریب الوطن مہاجرین بھی تھوڑے ہی عرصہ سے مدینہ میں وارد ہوئے تھے۔ اور ابھی تک اپنے لئے جائے سکونت اور سامان خانہ داری بھی بہم نہ پہنچا سکے تھے۔ دوم یہ کہ فاقہ مستی کی حالت میں وقت بسر کر رہے تھے۔ سوم یہ کہ جن انصار نے مہاجرین کو پناہ دی تھی۔ اُن کی حالت بھی بوجہ مہمان نوازی کے خرچ کی مقدار دو چند ہو جانے سے نازک ہو چکی تھی ؛

اور منافقین کا الگ خدشہ و خطرہ تھا۔ پھر یہ کہ معاہدہ یہود کا بھی کوئی بھروسہ اور اعتبار نہیں تھا۔ علاوہ ان سب مخدوش حالات کے ایک بہت بڑا کھٹکا یہ لگا ہُوا تھا۔ کہ جب اہل مدینہ دیکھیں گے۔ کہ نووارد مہاجرین کی وجہ سے مدینہ پر یہ آفت آئی۔ کہ غنیم قریش نے اُن کو گھیر لیا ہے تو یقیناً اُن سب کی حالت بدل کر معاملہ دگرگوں ہو جائے گا ؛ اس لئے حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام نے ایسی انجام بینی اور دُور اندیشی کی۔ کہ ایسے خطرناک موقع پر مدینہ میں بیٹھا رہنا پسند نہ فرمایا۔ اور اکثر صحابہ کے خلاف

حضور کی یہی رائے قرار پائی۔ کہ مدینہ منورہ سے آگے بڑھ کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ تاکہ جو کچھ فیصلہ حق و باطل میں خدا کو کرنا منظور ہے۔ وہ مدینہ سے باہر ہی ہو۔ چنانچہ حضور ہادیئے اسلام علیہ السلام اپنے جان نثار مہاجرین غریب الوطن اور انصار کے بھوکے اور مفلس ۳۱۳ آدمیوں پر مشتمل گروہ کو ہمراہ لے کر تائید غیبی کے بھروسہ پر اتنے بڑے جرار لشکر قریش کے مقابلہ میں حملہ روکنے کے لئے چل نکلے اس مختصر سے اسلامی لشکر کی مالی حالت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ۳۱۳ آدمیوں میں صرف دو گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے۔ اور جو خاص حضور علیہ السلام کی سواری کا اونٹ تھا۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور زید حضور کا غلام باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب یہ مختصر سی اسلامی فوج وادئ ذفران میں پہنچی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کفار مکہ کا وہ قافلہ جس کے بچاؤ کے بہانہ سے لشکر قریش مکہ سے نکلا تھا۔ وہ تو پہلے ہی سمندر کے کنارے کنارے چل کر مکہ پہنچ گیا ہے مگر لشکر قریش مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کے ارادہ سے بڑھا آرہا ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے منزل بمنزل کوچ کرتے ہوئے چاہ بدر کے قریب ڈیرے ڈالدیئے اور ابو جہل بھی اپنا خونخوار لشکر لے کر سامنے ہی خیمہ زن ہو گیا۔

ادھر حضور علیہ السلام نے کفارِ مکہ کی کر و فر اور کثرت اور اپنے لشکر کی قلت اور بے سروسامانی دیکھ مشورۃً اپنے جانباز اصحاب سے دریافت فرمایا۔ کہ اس معرکہ میں جو ابھی پیش آنے والا ہے تم سب کی کیا رائے ہے۔ اگر کسی شخص کا دل جنگ میں شریک ہونے سے ہچکچاتا ہے۔ تو وہ بے شک واپس چلا جائے۔ کوئی جبر نہیں ہے۔

غرضیکہ حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام اپنے ۳۱۳ جانباز سپاہیوں کو زیرکمان لے کر ہزاروں کفار مقابل میں جا ڈٹے۔ اور نعرۂ تکبیر لا الہ الا اللہ سے گردونواحِ بدر کے دشت و جبل کو متزلزل کر دیا۔ بہادرانِ اسلام بھوک اور پیاس کے صدموں سے ستائے اور اپنی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر لشکر کی طرف للکارتے ہوئے۔ اس طرح بڑھے اور دشمنانِ دین پر جا گرے۔ جس طرح بھوکا شیر جھلایا ہوا ڈکار کر اپنے شکار پر جا پڑتا ہے۔ اس دھرملے کے حملے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے ہی حملہ میں طرفین کے تیر ہی نہیں۔ بلکہ نیزے تک بیکار ہو کر نوبت شمشیر تک پہنچی۔ اس جانبازی کے میدان میں گو حامیانِ اسلام نے

اور مشرکین کی مضبوط اور جمی ہوئی صفوں کو توڑ ڈالا۔ مگر چونکہ کفار ایک بہت بڑی تعداد میں تھے۔ اس لئے حملہ آور اہل اسلام ان میں اس طرح مل گئے۔ جیسے آٹے میں نمک اس کثرت کی بنا پر اولاً تو خود ہی کفار مکہ قوی دل ہو رہے تھے۔ ثانیاً اسلام کی عداوت اور ابوجہل وغیرہ کے رزمیہ اشعار نے اُن کو اور بھی اُبھارا۔ چنانچہ اسی بدحواسی کی حالت میں ایک لمحہ کے لئے کچھ جھجک کر پھر سنبھلے اور ایک ایک مسلمان سے چار چار پانچ پانچ لپٹ گئے۔ کچھ دور نہیں تھا۔ کہ اسلامی لشکر مغلوب ہو کر میدان ہستی سے نابود ہو جائے۔ یہ نازک حالت دیکھ کر حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دُعا فرمائی۔ کہ اے ناصر قوی ہم سے تیرا وعدۂ نصرت ہے اور آج حق و باطل کے فیصلہ کا دن ہے۔ اے قادر مطلق اس چھوٹے سے گروہ کو قتل ہونے سے بچا لے۔ یا الٰہی اپنا وعدہ نصرت پورا کر۔

اے حی و قیوم اگر یہ مختصر سا اسلامی لشکر کفار کے ہاتھوں ہلاک اور قتل ہو گیا۔ تو تیری خالص عبادت کرنے والا کوئی زمین پر باقی نہ رہے گا؛

دعا کے ساتھ ہی آپ نے کنکر اور ریت کی ایک مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینکا۔ یہ ایک مٹھی ریت اور کنکر کی

کفار کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسے سخت غبار کا کام دے گئی۔ کہ کفار آنکھیں ملتے بد حواس اور سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ ساتھ ہی بہادرانِ اسلام نے لپک کر اس زور شور سے حملہ کیا۔ کہ کفار پر بدر کی وسعت کو تنگ کر دیا۔ لشکر کفار میں سے ستر قتل اور ستر اسیر ہوئے ؛

یوں تو قریش کی عظمت اور بہادری خاک میں مل گئی تھی۔ مگر مقتولین میں ابو جہل۔ عتبہ۔ شیبہ اور بڑے بڑے رؤسائے مکہ تھے۔ جن کے قتل ہونے سے قریش کا تمام زور ٹوٹ گیا۔ اس معرکہ میں مسلمانان میں سے صرف ۱۴ آدمی شہید ہو گئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ ان شہیدوں کو گنج شہدا میں دفن کر کے حضور علیہ السلام بفتح و نصرت مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے۔ ان میں قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار مثلاً حضرت عباسؓ (حضرت نبی کریم کے چچا) حضرت عقیلؓ (برادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ) ابو العاص بن الربیعہ ولید بن الولید وغیرہ تھے۔ ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا۔ ایک عبرت خیز سماں تھا۔ جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی خاص اثر پیدا کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارکہ سودہ نظر جب ان پر پڑی۔ تو بے اختیار بول اٹھیں۔ کہ تم مطیع ہو کر

آئے ہو بشر لیفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے ؛

اسیروں کی لنسبت یہ مسئلہ زیر بحث ہوا۔ کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یہ لوگ اپنے ہی بھائی بند ہیں۔ اس لئے ان کا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسلام کے معاملہ میں رشتہ اور قرابت کو کچھ دخل نہیں۔ اور ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر اُس نبی رؤف و رحیم نے شانِ رحمت کے اقتضا سے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی۔ اور سب کا فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ لیکن قریش غزوہ بدر میں شکست فاش کھانے کی وجہ سے سخت برہم ہو گئے۔ اور پیچ و تاب کھانے لگے؛ چنانچہ ابو سفیانؓ نے عہد کر لیا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لے لونگا غسل نہ کروں گا۔

عکرمہ بن ابو جہل اور بہت سے سرداران قریش نے جاکر ابو سفیانؓ سے کہا۔ کہ اگر تم تکالیف جنگ کے متحمّل ہو جاؤ۔ تو بدر کا انتقام ہم ابھی لے سکتے ہیں اس بات کو ابو سفیان نے قبول کیا۔ اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی اس میں شریک ہو گئے۔ ابو سفیان ان سب کا سپہ سالار بن کر بڑے ساز و سامان کے ساتھ مکّہ سے روانہ ہُوا۔ یعنے ۳ھ ماہ شوال بدھ کے

روز مدینہ طیبہ کے نزدیک پہنچ کر کوہ اُحد کے نیچے ڈیرے ڈال دیئے ؛

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے تھی۔ کہ مدینہ میں ہی ٹھیر کر قریش کے حملہ کو روکا جائے۔ لیکن صحابہ نے نہ مانا۔ اور آخر مجبور ہو کر حضور علیہ السلام جمعہ کے روز مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے قریش کی تعداد تین ہزار تھی۔ جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن ولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابو جہل تھے ؛

اسلامی لشکر کی تعداد سات سو تھی۔ جس میں سو زرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے۔ دامن کوہ احد میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں ؛ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ اپنے لشکر کے عقب میں اس غرض سے متعیّن کیا تھا۔ کہ اُس طرف سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں ؛

۷ شوال ہفتہ کے دن جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہؓ حضرت علی اور ابو دجانہ بھرے ہوئے شیروں کی طرح دشمن کی فوج میں گھس گئے اور اُن کی صفیں اُلٹ دیں۔ اور دھس کر کفار کو پراگندہ و پریشان کر کے فتح حاصل کی ؛ اور اسلامی لشکر کے سب لوگ مال غنیمت پر لوٹ پڑے۔

تیر اندازوں نے بھی جو محافظ کے طور پر گھاٹی میں کھڑے تھے۔ انہوں نے سمجھا۔ کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے دفعتہً عقب سے اس زور و شور کا حملہ کیا۔ کہ مسلمان اس ناگہانی زد کو روک نہ سکے اور بکّہ بکّہ ہو کر رہ گئے کفّار نے رسول اللہ پر پتھروں اور تیروں کی بارش کی یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور پیشانی پر زخم آیا۔ اور مغفر کی کڑیاں رخساروں میں چبھ گئیں۔ اور انہی صدمات کے ساتھ حضور علیہ السلام ایک گڑھے میں گر پڑے اور اپنے جان باز صحابہ کرام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اس پریشانی کی حالت میں غل مچ گیا۔ کہ رسول اللہ صلعم شہید ہو گئے۔ اس افواہ نے مسلمانوں کے استقلال میں تزلزل اور پائے ثبات میں لغزش پیدا کر دی۔ اور جو جہاں تھا۔ وہیں کا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔

جب حضور کی شہادت کی خبر شہرت پذیر ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے حواس باختہ ہو کر بھاگے۔ کہ مدینہ میں پہنچ کر انہوں نے دم لیا۔ اور کچھ لوگ اس خیال سے جان پر کھیل گئے۔ اور لڑتے رہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد زندگی بیکار ہے بعض نے مایوس ہو کر ہتھیار ڈال دیئے

کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔

قاضی ابو یوسف نے خود حضرت علی رضؓ کی زبانی روایت کی ہے۔ کہ انس بن نضیر میرے پاس سے گزرے۔ اور مجھ سے دریافت کیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری۔ میں نے کہا۔ کہ میرا خیال ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم شہید ہو گئے ہیں انس نے کہا کہ رسول اللہ صلعم شہید ہو گئے ہیں۔ تو کیا ہوا خدا تو زندہ ہے۔ ایہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور اس قدر لڑے۔ کہ ستر زخم کھانے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا۔

جب حضور علیہ السلام کا صحیح وسالم زندہ ہونا معلوم ہوا۔ تو صحابہ کرام میں سے جنکو جس طرح سے موقع ملا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، رسول کریم اپنے تیس۳۰ جاں باز صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی بلندی پر تشریف لے گئے۔ یہ حال دیکھ کر خالد بن ولید ایک دستہ فوج کے ساتھ حضور علیہ السلام کی طرف بڑھا۔ حضور علیہ السلام نے خالد کو آتے دیکھ کر فرمایا۔ کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک آنے نہ پاویں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر حملہ کیا۔ اور خالد اور خالد کی فوج کو پسپا کر دیا۔ ابو سفیان سپہ سالار قریش اس درہ کے قریب پہنچ کر جس میں حضور

مع تیس جان نثار صحابہ کے موجود تھے۔ پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں۔ آپ نے اشارہ ہے۔ فرمایا۔ کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابو سفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لے کر پکارا۔ کہ یہ دونوں اس گروہ میں ہیں یا نہیں۔ جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو اُس نے جانا۔ کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ اور کہا۔ کہ او دشمن خدا! ہم سب زندہ موجود ہیں ؛

ابوسفیان نے کہا۔ کہ اعلیٰ ہبل (بُت کا نام) یعنے اے ہبل بلند ہو۔ حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ کہ جواب دو۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ اللہ اعلےٰ و اجل یعنے خدا بلند و برتر ہے۔

جنگ اُحد کے اختتام کے بعد کفار مکہ واپس جاتے ہوئے آئندہ سال میں پھر بموقع بدر جنگ کرنے کا وعدہ کر گئے ؛

اللہ رے خلق محمدی اور اس نبی رؤف و رحیم کا صبر و تحمل کہ اس جنگ میں کفار کے ظالم ہاتھوں سے حضور کے جسم اطہر پر بہت سے زخم آئے دندان مبارک شہید ہوئے پیشانی پر زخم کاری لگا۔ کفار کی عورتوں نے آپ کی آنکھوں کے سامنے شہیدوں کے ناک۔ کان کاٹ کر ہار و ہنسیار بنائیں۔ اور ہنسیں۔ اور ہندا زوجہ ابو سفیان نے حضرت حمزہ

سید الشہداء کا سینہ چھری سے چاک کر کے اور کلیجہ باہر نکال کر دانتوں سے چبایا۔ مگر حضورؐ نے ان کے حق میں یہی فرمایا۔ کہ اللہ میری قوم کو سوجھ دے۔ کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ اپنی جہالت سے ایسا کر رہے ہیں۔

غزوہ بنی النضیر

ربیع الاول ۴ھ کو حضور ہادیٔ اسلام چند صحابہ کرام کے ساتھ قبیلہ بنی النضیر کے یہود کے ہاں اس غرض سے تشریف لے گئے۔ کہ انہوں معاہدہ کے موافق جنگ احد میں مسلمانوں کو کیوں مدد نہ پہنچائی اور اب ایک کام میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔ مگر یہ لوگ مسلمانوں کی روز افزوں ترقی دیکھکر اندر ہی اندر جل رہے تھے اس لئے گو انہوں نے بظاہر حضور علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کر کے ایک مکان میں بٹھایا۔ لیکن مار ڈالنے کی نیت سے، چنانچہ ایک کمبخت یہودی کو اس مکان کی چھت پر چڑھا دیا۔ تاکہ وہ ایک بہت بڑا وزنی پتھر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر گرا دے وہ بدبخت یہودی۔ یہ ظالمانہ حرکت کرنے ہی کو تھا۔ کہ حضور علیہ السلام کو الہاماً علم ہو گیا۔ اس

لئے حضور اً فوراً باہر نکل آئے۔

چونکہ یہود بد عہدی کا ارتکاب کرنے کے علاوہ حضور علیہ السلام کے متعلق ایک نہایت ہی خوفناک حملہ کے سنگین مجرم ثابت ہوئے تھے۔ اس لئے حضور نے انہیں کہلا بھیجا۔ کہ دس دن کے اندر تم یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ تمہارا اچھا انجام نہ ہوگا۔ یہود کو اپنے مستحکم قلعوں پر بہت بڑا بھروسہ تھا۔ اور وہ ان کو ناقابل تسخیر سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ جنگ پر آمادہ ہو کر قلعہ بند ہو گئے لیکن حضور علیہ السلام نے محاصرہ کر کے ان کا ناک میں دم کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اُنہوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ اور وہ رحمت العالمین اپنی شانِ رحمت کے صدقے میں صلح کر لینے پر رضا مند بھی تھے۔ مگر عبداللہ بن ابی منافق نے یہود کو اپنی امداد کا وعدہ دیا اور بہکایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تنگی کی حالت میں مدینہ طیبہ سے خیبر کو جلاوطن کر دیئے گئے۔ اور اس تنازعہ میں مسلمانوں نے یہود کے کچھ درخت خرما کاٹ ڈالے اور کچھ درخت عمدہ باقی رہنے دیئے۔

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق ۵ھ

جو یہود اپنی شرارت اور بدکرداری کی پاداش میں مدینہ منورہ سے
خیبر کو جلاوطن کئے گئے تھے۔ وہ فی الحقیقت خیبر میں پہنچ کر
مطمئن ہوئے۔ اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی دھن
میں لگے۔ مگر بذات خود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے قریش
مکہ اور عرب کے بہت سے قبائل کو حضور ہادیٔ اسلام
علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا۔ اور ان سے امداد کا وعدہ کیا،
قریش یہود کی امداد کے وعدے پر بہت خوش ہوئے،
اور چار ہزار کی جمعیت لے کر بہ سپہ سالاری ابوسفیانؓ
مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور راستہ میں سبھی یہود
دیگر بہت سے قبائلِ عرب اس لشکر میں آ آکر شریک ہوتے
گئے۔ حتےٰ کہ دس ہزار آدمیوں کے لشکر نے مدینہ منورہ کا
محاصرہ کر لیا چونکہ اس لشکر میں عرب کے مختلف قبائل
تھے۔ اور اہل کتاب و مشرکین بھی سب شامل تھے اس لئے اس
جنگ کا نام احزاب ہے۔ اور اُن لوگوں کے زور روکنے کے لئے
حضور علیہ السلام نے بمشورہ حضرت سلمان فارسیؓ مدینہ منورہ کی
مشرقی جانب کھلے میدان میں ایک خندق کھدوادی۔ اس لئے
اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے قریش
اور یہود کے حملہ کا حال معلوم کر کے باتفاق رائے مدینہ سے باہر
جاکر جنگ کرنا خلافِ مصلحت سمجھا، اسی لئے جب حضور نے شہر

کی حالت کا چہار طرف سے معائنہ کیا۔ تو شہر پناہ کو چاروں طرف سے معائنہ کیا۔ تو شہر پناہ کو چاروں طرف سے درست پایا مگر بجانب شرق بالکل کھلا میدان تھا۔ لہذا حضورؐ نے حکم دیا۔ کہ اس طرف کھائی کھودی جائے۔ گو اس زمانہ میں صحابہ کی بھوک اور افلاس سے بہت ہی نازک حالت تھی۔ اور علاوہ ازیں موسم سرما تھا۔ تاہم صحابہ نے بڑی جانکاہی اور محنت سے مخالفین کے آنے سے پیشتر خندق کھود کر تیار کر دی۔

روایت کرتے ہیں۔ کہ خندق میں ایک ایسا گراں پتھر تھا۔ کہ اُس کے توڑنے اور نکال پھینکنے میں جب تمام صحابہ عاجز آ گئے۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے ایک آلہ اس پتھر پر ایسا مارا۔ کہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس موقع پر ایک اصحابی نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا کہ بھوک سے پیٹ کمر کے ساتھ لگا ہُوا حضور علیہ السلام نے اس صحابی کو تسکین کے لئے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا۔ تو حضور علیہ السلام کی حالت اس سے بھی نازک تھی۔ حضور علیہ السلام کا بھوک سے یہ حال دیکھکر صحابہ کرام رض کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر سب کی حالت یکساں تھی۔ ایسی حالت میں کوئی ایک دوسرے کی مدد ہی کیا کر سکتا تھا۔ اس لئے ہر ایک شخص سکتے کے عالم

میں سوچتا رہ گیا۔ حضرت جابرؓ اپنے گھر گئے۔ اور بیوی سے کہا کہ کچھ ہے۔ تو اُس نے جواب دیا۔ کہ صرف دو سیر کے قریب جو ہیں اُن کا آٹا پیس دیتی ہوں۔ حضرت جابرؓ نے کہا کہ تم آٹا پیسکر روٹی پکا دو اور خود ایک بکری لے کر ذبح کرکے گوشت پکانے میں مصروف ہوئے۔ غرضیکہ حضرت جابرؓ اپنے ہاتھوں کا پکا ہوا گوشت اور اپنی بیوی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں لے کر حضور کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ اور عرض کی کہ یارسول اللہ میں ایک ہنڈیا گوشت کی اور دو سیر جو کی روٹیاں لایا ہوں۔ حضور علیہ السلام مع خاص صحابہ کرام کے تھوڑا تھوڑا تناول فرماویں۔ حضور علیہ السلام نے یہ سُنکر اپنے تمام لشکر میں اعلان کرا دیا۔ کہ اے خندق والو جابرؓ نے تمہاری دعوت کی ہے۔ چنانچہ وہی تھوڑا سا گوشت اور روٹیاں تمام لشکرؓ نے شکم سیر ہو کر کھائیں۔ اور اُس میں سے کسی قدر کمی کے ساتھ تمام کھانا بچ رہا۔

راوی فرماتا ہے۔ کہ اس موقع پر لشکرِ اسلام میں زیادہ سے زیادہ صرف پندرہ سو آدمی تھے۔ لیکن اگر اُس وقت پندرہ ہزار بھی ہوتے۔ تو اُن سب کو یہ کھانا کفایت کرتا۔

برابر ایک مہینے تک لشکرِ کفار مدینہ منورہ کا محاصرہ کئے رہا اور آپس میں متفرق لڑائیاں بھی ہوتی رہیں۔ آخرکار نصرت الٰہی کی ہوا چلی۔ یعنی یکایک خدا تعالےٰ نے برق وبار کا کفار

پر ایک بھاری لشکر بھیجا۔ اور اُس میں فرشتے اندرونی طور پر اپنا کام کر رہے تھے۔ کہ یکا یک کفّار کے گھوڑے اگاڑی پچھاڑی توڑ تڑا کر بھاگ گئے۔ اور ڈیروں کی طنابیں ٹوٹ کر کفّار پر گریں اور دشمنوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ اور کفّار ایسے بیدل اور بدحواس ہوکر بھاگے ؛ کہ پھر کبھی اُنہوں نے مدینہ کی طرف رُخ نہیں کیا ؛ اس واقعہ کو خداوند تعالےٰ قرآن مجید میں اس طرح بیان فرماتا ہے ؛

ترجمہ۔ اے مسلمانوں اس احسان خداوندی کو تو یاد کرو۔ جو اُس نے تم پر کیا ہے۔ جبکہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے۔ تو ہم نے اُن پر بادِ صرصر (آندھی) بھیجی اور لشکر ملائکہ جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے ؛ اور اُس وقت تم جو جنگ کی تدابیر کر رہے تھے۔ اللہ ان کو بھی دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا۔ کہ دشمن تم پر اوپر۔ (مشرق) سے بھی آ چڑھے اور نیچے (مغرب) کی جانب سے بھی اور مارے خوف کے تمہاری آنکھیں پھری کی پھری رہ گئیں ؛ اور کلیجے مُنہ کو آ گئے۔ اور تم خدا کے وعدۂ نصرت کے بارہ میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس موقع پہ مسلمانوں کے (استقلال) کی آزمائیش کی گئی ؛ اور ایک سخت زلزلے میں آ گئے۔

اور جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک) کے روگ

تھے (بے اختیار) بول اُٹھے۔ کہ خدا اور اُس کے رسول نے جو وعدہ نصرت ہم سے کیا تھا۔ پُورا ہو کا تھا۔ اور جب سچے مسلمانوں نے لشکروں کو دیکھا تو بول اُٹھے کہ یہی وہ وقت تھا۔ کہ جو خدا اور اُس کے رسول نے ہمیں پیشتر سے تبلا رکھا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس موقع کے پیش آنے سے اُن لوگوں کا ایمان اور بھی زیادہ مضبوط ہو گیا۔ اور خدا نے اپنی قدرت سے کافروں کو مدینہ سے (مار) ہٹایا۔ اور وہ اپنے غصّے میں بھرے ہوئے تھے۔ (خود) ہٹ گئے۔ اور اُن کو اس فہم سے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنی مدد سے مسلمانوں کو سخت لڑائی کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ اور اللہ زبردست اور سب پر غالب ہے۔

غزوہ بنی قریضہ ۵ھ

یہود میں سے قبیلہ بنی قریضہ کا بموجب معاہدہ فرض تھا۔ کہ جنگ احزاب میں مُسلمانوں کی مدد کرتے۔ مگر اُلٹا مسلمانوں کی بدخواہی میں مصروف ہو گئے چنانچہ اُن کا سردار کعب بن اشرف عین موقع اور وقت پر خیبر کے یہودی حیّ بن اخطب کے ورغلانے پر مخالفوں سے جا ملا۔ اور یہ لوگ اپنی شامت اعمال سے باوجود اہل کتاب ہونے کے بجائے توحید مت

پرستی کے حامی بن گئے۔ اس لئے بحکم الٰہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُن کی شرارتوں کے انسداد کے لئے اُن کی سب گڑھیوں کا محاصرہ کر لیا۔ تو اُنہوں نے تنگ آکر حضرت سعدؓ بن معاذ کو اپنا حاکم بنایا۔ جنہوں نے اُن کی آئے دن کی شرارتوں کو روکنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ فیصلہ کیا۔ کہ اُن کے جنگجو مرد قتل کئے جائیں۔ اور اُن کی عورتیں بچے اور جو لوگ لڑنے کے قابل نہیں ہیں وہ محفوظ رکھے جائیں۔ چنانچہ شرک کے حامی اپنی بغاوت و شرارت اور بد عہدی کے عوض اپنے کئے کو پہنچے؛

واقعہ حدیبیہ ۶ھ

حضور علیہ السلام کو اپنی جائے ولادت اور پیارے وطن مکہ معظمہ سے نہایت ہی محبت تھی۔ اس لئے آپ نے بالہام ربانی یہ دعا فرمائی۔ ترجمہ:-

(تو اے محمدؐ) "کہ اے رب مجھے سچا داخل کرنا۔ داخل کر اور سچا نکالنا نکال۔ اور میرے لئے اپنے یہاں سے مددگار روحانی پیدا کر دے"!

حضور علیہ السلام کو ہر وقت یہی خیال رہتا تھا۔ کہ جلد اپنے وطن کو آنکھوں سے دیکھوں۔ اور حج بیت اللہ کر کے سُنت ابراہیمی

کو زندہ کروں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ۶ھ میں حضورؐ کو ایک خواب دکھایا کہ حضورؐ مع اپنے صحابہؓ کے امن و چین سے مسجد حرام میں داخل ہو کر عمرہ اور حج کی رسمیں ادا کر رہے ہیں۔

چونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی ایک قسم کا الہام ہی ہوتا ہے۔ مگر وقت اور حال کا تعین نہیں بتایا گیا تھا۔ تاہم حضور علیہ السلام نے مکہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کو اپنے ہمرکاب لے کر مکہّ کی جانب کوچ کیا۔ اور قربانی کے جانور نشان کئے ہوئے بھی ہمراہ تھے۔ حضور نے اس خیال سے کہ قریش کو ہماری جانب سے لڑائی کا گمان نہ ہو۔ اپنے لشکر میں حکم نافذ فرمایا۔ کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔

چنانچہ سب نے تعمیل ارشاد کی لیکن ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے) پر پہنچے۔ تو حضرت عمرؓ کو یہ خیال ہؤا۔ کہ دشمنوں میں بلا ہتھیار کے چلنا مناسب نہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند فرما کر مدینہ سے ہتھیار منگائے۔ جب مکہ دو منزل رہ گیا۔ تو مکہ سے آ کر بشیر بن سفیان نے خبر دی۔ کہ حضور علیہ السلام کی آمد کی خبر پاکر تمام قریش نے باہم فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ مکہّ میں مسلمانوں کو قدم نہیں رکھنے دیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا۔ کہ اکابر صحابہؓ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر قریش کے پاس بھیجیں۔ کہ ہم کو لڑنا منظور نہیں ہے۔ صرف حج ادا

کرکے واپس چلے جائیں گے۔ اس کام کیلئے حضرت عمرؓ کو مامور فرمایا لیکن انہوں نے عرض کی۔ کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے عزیز و اقربا میں سے کوئی وہاں موجود نہیں ہے آخر حضرت عثمانؓ کو روانہ کیا گیا۔ قریش کی جانب سے اول بذیل بن ورقہ نے حضور کو یہ پیغام سنایا۔ کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں ہرگز نہیں آنے دیں گے۔ اس پر نہایت نرمی سے جواب ملا۔ کہ ہم صرف حج کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی مقصود نہیں ہے۔ تو اس نے قریش سے جاکر کہا کہ مسلمانوں کو عمرہ سے نہ روکا جائے تو اچھا ہے قریش نے سنکر کہا کہ یہ وہ بے مسلمان ہوگیا ہے۔ پھر عروہ بن مسعود کو بھیجا۔ اس نے آکر حضور علیہ السلام سے آزادانہ گفتگو شروع کی مگر اس نبئ رحیم و کریمؐ کے جان نثار صحابہؓ نے اسے روک دیا۔ جب اس نے قریش سے جاکر کہا۔ کہ میں نے روم و ایران و حبشہ کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ مگر سچ کہتا ہوں۔ کہ جو شان و شوکت محمد (صلعم) کی ہے کسی بادشاہ کی نہیں دیکھی۔ اور جو عزت و توقیر محمد (صلعم) کی اس کے صحابہؓ کرتے ہیں کسی درباریوں کو کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت عثمانؓ مکہ میں پہنچے۔ تو قریش نے ان کی بہت خاطر مدارت کی اور زیارت و طواف کی بھی اجازت دیدی۔ مگر انہوں نے اپنے ہادی و مولے کی مصاحبت بغیر زیارت کعبہ کا طواف

کرنا گوارا نہ فرمایا۔ اس پر قریش نے حضرت عثمانؓ کو معہ ان کے ہمراہیوں کے
نظر بند کر لیا۔ ادھر محمد بن مسلمہ کے طلیعہ نے اہل مکہ کے بچاس جاسوسوں
کو گرفتار کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ جن کو نظر بند کیا گیا
حضرت عثمانؓ کے واپس آنے میں حد سے زیادہ دیر لگی۔ تو اہل
اسلام میں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے۔
چونکہ سفیر کا قتل کسی مذہب اور کسی قوم میں جائز نہیں۔ اس لئے
حضور علیہ السلام کو نہایت جلال آیا۔ اور آپؐ نے ایک کیکر
کے درخت کے زیر سایہ تمام صحابہؓ سے اس بات پر
بیعت لی۔ کہ اگر عثمانؓ شہید ہو گئے ہوں۔ تو ان کا انتقام
لینے کے لئے یا اگر قید ہو گئے ہوں۔ تو اُن کی رہائی کے لئے
جو لڑائی پیش آئے۔ سب جان دینے کے لئے تیار ہیں۔
چنانچہ یہ واقعہ بیعت الشجر کے نام سے مشہور ہے۔ جب
قریش کو اس بیعت کی خبر پہنچی تو وہ سخت گھبرائے میں نے
تین آدمیوں کو شرائط صلح کے لئے حضور کی خدمت میں بھیجا۔
ان میں سے ایک کا نام سہیل بن عمر تھا۔ سہیل نے پہنچتے
ہی اپنے جاسوسوں کی رہائی کی درخواست کی۔ جس پر حضورؐ نے
فرمایا۔ کہ تم عثمان کو مع ہمراہیوں کے چھوڑ دو۔ چنانچہ اس شرط
کی منظوری پر طرفین کے قیدی رہا کئے گئے۔ پھر سہیل نے مندرجہ
ذیل شرائط صلح پیش کیں۔

(۱) اس سال آپ مع صحابہ بلا عُمرہ کئے واپس چلے جائیں البتہ اگلے سال اگر چاہیں۔ تو آ کر قضا کریں۔ مگر تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں۔ اور ایک ایک تلوار کے سوا کوئی اور ہتھیار نہ لائیں ؂

(۲) دس سال تک امن عام اور آزادی رہے۔ کوئی شخص کسی کا مزاحم نہ ہو۔ اور نہ ایک دوسرے کے معاہدین اور طرف داروں سے لڑیں ؂

(۳) اگر کوئی قریش کا آدمی مدینہ میں چلا جائے۔ تو مسلمان اس کو واپس کر دیں ؂

لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا جائے۔ تو قریش واپس نہ دیں۔ گویا تمام شرائط قریش نے اپنے مطلب کی پیش کیں۔ مگر حضور نے اپنے علم باطن اور حلم کی وجہ سے انہیں منظور فرما لیا۔ تمام صحابہؓ اس پر برافروختہ ہوئے۔ کہ ہم ہرگز اس طرح دب کر صلح نہیں کریں گے۔ مگر حضورؐ نے سب کو اس کی حکمتیں بیان فرما دیں ؂

غرضیکہ تحریر صلح نامہ کے لئے حضرت علیؓ طلب کئے گئے اور صلح نامہ لکھا جا کر طرفین کے معزز اشخاص کی گواہی سے مکمل ہوا۔ قرار داد صلح کے مطابق حضور نے اسی مقام پر حج کی معمولی رسمیں ادا کیں۔ اور مدینہ منورہ کی جانب مراجعت فرمائی ؂

اس سنہ ھ میں سورت فتح نازل ہوئی۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو طلب کرکے فرمایا۔ کہ آج مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے۔ جو مجھ کو تمام جہان کی چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر یہ آئیتیں پڑھیں۔ (یعنی اے نبی) ہم نے تمہارے لئے (اس صلح کو) فتح مبین بنا دیا۔ کہ تم آزادی سے دین اسلام کو پھیلاؤ۔ اور خدا اُس کے صلہ میں تمہاری گذشتہ اور آئیندہ خطئیات اور خدا اُس کے صلہ میں تمہاری گذشتہ اور آئیندہ خطئیات بشری کو معاف کرے۔ اور تم کو بے روک ٹوک سیدھی راہ پر لے چلے۔ کہ (تمہارا کوئی مزاحم نہ رہے) اور تمہاری بڑی زبردست مدد کرے۔

فتح خیبر ۷ھ

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی نہایت دلشکنی ہوئی تھی اس لئے اُن کو سورت فتح میں تسلی دے کر یہ بھی وعدہ فرمایا گیا تھا۔ کہ فتح مکہ سے پیشتر ایک اور فتح تمہارے لئے ٹھیرا دی گئی ہے۔

یہود اپنے فطرتی بغض وحسد اور طرح طرح کے تہمات سے نچلے نہ بیٹھ سکے تھے۔ چنانچہ اس سال انہوں نے پھر مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ حضور نے حملہ روکنے کے لئے ۱۴۰۰ مسلمانوں کے ساتھ یہود کے مضبوط قلعوں کو جا گھیرا چنانچہ اول قلعہ نطات کو سر کیا۔ بعدہ دوسرے قلعے بھی یکے بعد دیگرے

بہت جلد جلد فتح ہوتے چلے گئے۔ اور آخر میں قلعہ قموص کے محاصرہ کی نوبت پہنچی۔ جو سب میں مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ مگر یہ قلعہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حسن تدبیر سے جب فتح ہو گیا۔ تو خیبر کے یہود مغلوب ہو کر صلح کے خواستگار ہوئے چنانچہ حضور علیہ السلام نے نہایت بہترین شرائط پر صلح کر لی؞

فتح مکہ معظمہ ۸ سنہ

شرائط صلح حدیبیہ میں دوسری شرط یہ بھی تھی کہ قریش اہل اسلام کے طرفداروں اور ہم عہدوں سے اور مسلمان قریش کے طرفداروں سے نہ لڑیں۔ قبیلہ بنی خزاعہ حضور ہادیٔ اسلام کی پناہ میں اور بنی بکر قریش کے طرفدار تھے اتفاقاً بنی بکر اور بنی خزاعہ میں لڑائی چھڑ گئی؞ قریش نے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر شرائط صلح کے خلاف علانیہ اور بھیس بدل کر بنی بکر کی مدد کی۔ اس لڑائی میں بنی بکر کے ۱۲۰ آدمی مارے گئے۔ اور بنی خزاعہ نے حرم میں پناہ لی۔ تب بھی ان کو امان نہ ملی

حضور علیہ السلام کو خبر ہوئی۔ تو ان کو نہایت رنج اور قریش کی عہد شکنی پر افسوس ہوا۔ اور دل میں خیال گزرا۔ کہ عجیب نہیں۔ کہ بد عہد

عہد لوگ ہم سے بھی عہد شکنی اور یہی سلوک کریں،
لہذا حضور نے بنی خزاعہ کی امداد اور اُن کے انتقام کے لئے تیار ہوئے
یہ خبر سُنکر قریش بہت گھبرائے۔ اور حضور نبوی میں تجدید صلح کے لئے اپنے سردار
ابوسفیان کو بھیجا۔ وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔ مگر ناکام واپس آیا۔ کیونکہ
بنی خزاعہ کی ہمدردی اور حمایت اور کفار کی عہد شکنی اور روزانہ
پیش قدمیوں کی بیخ کنی۔ حضور علیہ السلام پر لازمی تھی۔ اس وجہ سے
حضور علیہ السلام دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار لے کر جانب مکہ روانہ ہوئے
اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ کہ
کہ خداوند سینا سے آیا۔ اور سعیر سے ان پر طلوع ہؤا۔ فاران کی چوٹیوں
سے وہ جلوہ گر ہؤا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اُس کے داہنے
ہاتھ میں ایک آتشی شریعت تھی!!

اللہ۔ اللہ۔ اُس رحمت اللعالمین کی شان رحمت کو دیکھئے
کہ مکہ معظمہ میں قدم رنجہ فرماتے ہی مشرکین مکہ کی بدسلوکیوں
کے انتقام لینے سے ہی درگذر نہیں فرمایا۔ بلکہ اُن کی تمام خطائیں
معاف کر کے تمام مکہ میں یہ منادی کرا دی ÷ کہ

(۱) جو شخص ابوسفیان (قدیم مخالف اسلام) کے گھر میں۔ داخل ہو
اُسے امن ہے۔ ÷

(۲) جو شخص ام ہانی کے گھر میں پناہ گزین ہو۔ اُسے امن ہے۔

(۳) جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند رکھے۔ اُسے امن ہے ÷

(۵) جو شخص لڑائی سے دست بردار ہو کر اپنے ہتھیار رکھ دے اُسے امن ہے۔

(۶) لشکر اسلام کا کوئی شخص کسی پر حملہ نہ کرے۔ جب تک کہ ساکنانِ مکہ میں سے کوئی لڑائی پر آمادہ نہ ہو۔

تمام باشندگانِ مکّہ اس اعلان سے مامون و محفوظ ہو گئے صرف ایک جانب سے چند کفار نے لشکرِ اسلام پر حملہ کیا تھا۔ جن کو شکست دی گئی۔ اس طرح حق کے مقابلہ میں ناحق کی شکست ہو کر مکّہ میں فتح اسلام کے نعروں سے دشت و جبل گونج اُٹھے

اُس وقت حضور علیہ السلام پر بھی ایک عجیب عالم طاری تھا۔ ایک طرف تو وہ ہجرت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ کہ جب حضور علیہ السلام کفار کی ایذائیں دینے اور تکالیف و آزار پہنچانے اور تیرہ سالہ توہین و تضحیک سے تنگ آ کر نہایت بے سروسامانی کے ساتھ خدائے قادر کے بھروسہ پر مکہ سے نکلے تھے۔ اور دوسری طرف اب اس شان و شوکت شاہانہ سے عزت و جبروت کے ساتھ مکّہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ ایک عجیب ہی نظارہ پیش نظر تھا ان دونوں حالتوں پر غور کرنے سے حضورؐ کو قدرت ایزدی کا ایک بہت بڑا کرشمہ نظر آیا۔ اور یہاں تک رقت طاری ہوئی کہ حضور ہادیئے اسلام کی ریش مبارک خوشی کے آنسوؤں سے تر ہو کر آنسو سینۂ اقدس پر ٹپک رہے تھے۔ اس عالم بیخودی میں اونٹ ہی کے پالان پر جھک جھک کر حضور علیہ السلام سر بسجود ہوتے۔ اور شکر الہی بجا لاتے۔

غرضیکہ حضور علیہ السلام اس شان وشوکت سے آبادی مکہ معظمہ میں ہوتے
ہوئے درِ کعبہ پر پہنچے۔ اور کعبہ کے تمام بتوں کو توڑ دینے کا حکم نافذ
فرمایا۔ اور درِ کعبہ پر کھڑے ہوکر نہائت فصیح وبلیغ خطبہ پڑھا جس میں خداوند
تعالےٰ کی عظمت وکبریائی اور اپنی بیکسی ومظلومی وعروج اور باطل کے
مقابلہ میں حق کی فتح کا بیان اس شدّ ومدّ سے کیا۔ کہ کفّار مکہ جوق درجوق
دوڑ دوڑ کر داعی اسلام کے قدموں پر گرے پڑتے تھے۔ اس رحمت اللعالمین
نے باقتضائے شانِ رحمت ان سب کے گناہوں کو معاف کرکے بیعت
کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ سب چھوٹے بڑے حضور کے دست مبارک پر نہایت
شرمساری اور ندامت کے ساتھ سر نیچا کئے ہوئے۔ بیعت کرکے حلقہ
بگوشِ اسلام ہوتے گئے۔ حضور علیہ السلام کے اردگرد آپ کے تمام مخالفین
نہایت خائف وترساں ولرزاں صف بستہ سرنگوں ان خیالات میں مستغرق
تھے۔ کہ محمد (صلعم) کی جنبشِ لب کی دیر ہے۔ کہ ابھی جلّاد سر پر کھڑے نظر آئینگے
مگر اس نبی رؤف ورحیم نے اپنی متانت اور رقّت بھری آواز کے
ساتھ غمناک لہجہ میں ان شریروں کو مخاطب کرکے یہ سوال کیا۔ کہ تم لوگ
مجھ سے کیسے سلوک کی امید رکھتے ہو۔ اور اپنے تئیں کس سلوک کا مستحق
خیال کرتے ہو۔ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ سب نے بالاتفاق
عرض کیا۔ کہ بے شک ہم سب اپنی شرارتوں کے عوض میں نہایت عذاب کے
ساتھ قتل کردیئے کے قابل ہیں۔ مگر آپ ہمارے آقا رحیم اور کریم ہیں۔ اس
لئے ہم حضور سے رحم وبخشش ہی کی امید رکھتے ہیں۔ اس وقت حضور علیہ

السلام نے بڑی بلند حوصلگی اور کشادہ پیشانی سے پُر درد لہجہ میں اپنی لرزتی اور رقت بھری آواز کے ساتھ فرمایا۔ کہ میں تم سے اور کچھ نہیں کہتا۔ اور نہ کچھ انتقام چاہتا ہوں۔ اور نہ شکوہ کرتا ہوں۔ صرف وہی کہتا ہوں۔ جو اس سے پیشتر میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

ترجمہ یعنی آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے" اور ساتھ ہی یہ فرمایا۔ کہ جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کر دیا۔

یہ دلچسپ اور دلکش نظارہ ایسا نہ تھا کہ کوئی شخص دیکھے۔ اور آبدیدہ یا اُس سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ سب کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں کہ کوئی بہ چشم پُرنم بصورت تصویر سکتے کے عالم میں بے حس و حرکت جہاں کھڑا تھا۔ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اور کسی کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ اور رقت و سکوت کا ایک ایسا سماں بندھ گیا کہ جس میں اُن کو سوائے کرشمہ قدرت الٰہی کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور وہ اپنی پُرنم آنکھوں سے گویا میدان محشر میں داورِ حشر کو انصاف پر بیٹھا دیکھ رہے تھے۔ اسی بیخودی کے عالم میں اخلاق محمدی کے گرویدہ ہو کر سب نے بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے سب وعدے پورے ہوئے اور گروہ در گروہ دین اللہ میں داخل ہو گئے۔ اور دن بدن داخل ہونے شروع ہوئے۔

جنگ حنین

حنین ایک مقام ہے۔ نواح طائف میں وہاں صحرائی لوگوں کے کئی ایک قبائل اور قوم بنی ہوازن کی ایک جماعت کثیر مسلمانوں کے خلاف جنگ وجدل پر آمادہ ہوئی۔ یہ خبر حضور علیہ السلام کو بھی پہنچی۔ آپ بارہ ہزار مسلمانوں کی جمعیت سے وہاں پہنچے۔ اور لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے دل میں یہ خیال گزرا۔ کہ ہماری جمعیت قلیل ہمیشہ جماعت کثیر کے مقابلہ میں کامیاب ہوتی رہی ہے۔ اس لئے نہایت بے توجہی سے لڑتے تھے۔ اس کم توجہی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ابتداء میں عین لڑائی کے وقت مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور بھاگ نکلے۔ حتیٰ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی تھوڑے سے ہی آدمی باقی رہ گئے۔ اس نازک وقت موقع پر حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور فرمایا:-

میں سچا نبی ہوں اور عبد المطلب کا بیٹا ہوں"

کسی حالت میں پیٹھ دکھانے والا نہیں۔ اور حضور علیہ السلام ایک اونچے ٹیلے پر جا کھڑے ہوئے۔ اُس وقت حضرت عباس رضی اللہ نے باآواز بلند پکارا۔ اور للکار کر کہا۔ کہ محمد رسول اللہ تو یہ کھڑے ہیں اے حامیان اسلام تم کدہر بھاگے۔ جاتے ہو۔ پس آواز سُنکر سب لوگ سمٹ پڑے اور متفقہ کوشش سے اس دھڑے کا حملہ کیا۔ کہ بنی ہوازن کے

جمے ہوئے پاؤں اُکھڑ گئے - اور انہوں نے شکست فاش کھائی

حجۃ الوداع

سنہ ۹ھ میں حج فرض ہوا تھا - مگر اس سال حضور علیہ بہ سبب تعلیم وفود اور امور غزوات کے خود حج کو تشریف نہ لے جا سکے - اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ کو بھیج دیا - لیکن دوسرے سال حضور ہادی اسلام بذاتِ خود ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کو ساتھ لیکر ادائے فریضہ حج کے لئے مکہ میں پہنچ گئے - اس سفر میں حضور علیہ السلام نے اکثر ایسی باتیں بیان فرمائیں - جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوستوں اور قوم سے رخصت ہوتا ہے - اس لئے اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں -

اللہ اکبر حجۃ الوداع کا نظارہ بھی ایک دلچسپ نظارہ تھا - کہ جس میں ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع آپ کے ساتھ تھا - حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح اس میدانِ عرفات میں ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر آخری نصیحتیں فرمائیں - اور اپنے خدام کو وصیتیں کیں - اور فرمایا کہ شاید اگلے سال میں تم میں نہ رہوں - اس لئے دینِ اسلام مکمل ہو چکا - اور تبلیغ رسالت میں پورے طور پر اپنا فرض منصبی ادا کر چکا ہوں - پھر آخر میں فرمایا - اے لوگو! جب قیامت ہو گی - اور خداوند تعالیٰ تم سے میری تبلیغ رسالت کے متعلق سوال کریگا - تو تم کیا جواب دو گے - سب نے عرض کیا - ہم یہ

کہینگے۔ کہ خداوندا تیرے رسول نے سخت سے سخت ایذائیں اور تکالیف ہمارے ہاتھوں سے برداشت کیں اور تیرے احکام اپنی امت کو پہنچائے۔ اور تبلیغ رسالت کا پورا پورا حق ادا کیا تب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف منہ کرکے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ۔ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ۔ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ:

عرفہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حضور ہادیٔ اسلام پر یہ آیت نازل ہوئی

ترجمہ:- یعنے آج میں نے اپنا دین اسلام تم پر کامل کیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کی۔ اور تمہارے لئے دین (اسلام) کو پسند کیا؛

اس آیت سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا۔ کہ میری رسالت و نبوت کی غرض و غایت پوری ہو چکی۔ اور وصال الٰہی کا اشتیاق حضور کے قلب پر غالب ہوا۔ ادائے فریضہ حج کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور وصال سے چند روز پیشتر سب کو جمع کیا۔ انصار اور مہاجرین کے متعلق مفصل ہدایات اور نصائح فرما کر فرمایا۔ کہ اگر کسی شخص کا کوئی حق مجھ پر ہو۔ تو طلب کرے۔ ایک شخص نے ۳ درم قرض کے بیان کئے جو ادا کئے گئے۔ پھر لوگوں نے اپنے اپنے لئے دعائیں کرائیں

حج سے ۸۱ یوم بعد سنہ ۱۱ھ ۱۲ ربیع الاول کو اس ظاہری عالم سے حضور ہادیٔ اسلام علیہ السلام ۶۳ سال کی عمر میں باشتیاق وصالِ الٰہی فردوس بریں کی جانب اللھم ہو الرفیق الاعلیٰ" کہتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حضور علیہ السلام کے کُنبہ کے حالات:

(۱) حضور کے ۹ چچا تھے۔ حارث۔ زبیر۔ حجل۔ ضرار۔ مقوم۔ ابولہب۔ ابوطالب

حمزہ۔ عباسؓ

(۲) پھوپھیاں چھ تھیں۔ جن میں سے صرف صفیہؓ والدہ زبیرؓ مسلمان ہوئیں
۳۔ غلام ۱۲ تھے اور سب کو حضور علیہ السلام آزاد فرما دیا ؛

(۴) لونڈیاں ۴ تھیں۔

۵ ازواج یعنے بیویاں گیارہ تھیں۔ دو نے حضورؐ کے سامنے انتقال کیا ۹ نے بعد میں جن کے نام یہ ہیں۔ پہلی بیوی خدیجۃ الکبریٰ۔ دوسری بیوی سودہؓ تیسری بیوی عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبرؓ۔ چوتھی بیوی حفصہ۔ بنت عمر فاروقؓ پانچویں بیوی اُم۔ حبیبہ بنت ابو سفیانؓ۔ چھٹی بیوی۔ ام سلمہؓ ساتویں بیوی زینب بنت حجش۔ آٹھویں بیوی زینب خزیمہ۔ نویں بیوی جویریہ بنت حارث۔ دسویں بیوی صفیہ۔ گیارھویں بیوی میمونہ بنت حارث ہلالیہ ؛

(۶۔) اولاد فرزند نرینہ ۳۔ قاسم۔ عبداللہ۔ ابراہیم (دختران) ۴ زینب زوجہ ابوالعاص بن ربیع۔ ام کلثومؓ و رقیہؓ ازواج حضرت عثمان غنیؓ فاطمہؓ زوجہ علی کرم اللہ وجہٗ ؛

کاتبانِ سرکارِ نبویؐ

حضور علیہ السلام کے کاتب تو بہت تھے۔ مگر خاص اشخاص یہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ تینوں خلفاءؓ حضرت عبداللہ بن ارقم ابی بن کعب۔ ثابت بن عقیل زید بن ثابت۔ معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین ؛

اِخلاقِ محمدی

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ میری نبوّت کا مُدعا یہ ہے
کہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تکمیل کروں۔ بخاری کی ایک حدیث
یہ اخلاق بیان کرتی ہے کہ آنحضرت شاہد خلق ہیں۔ مطیع کو بشارت سُناتے اور عاصی
کو ڈراتے ہیں۔ ناواقفوں کی جائے پناہ۔ خدا کے بندے اور رسول صلعم جملہ کاروبار
اللہ پر چھوڑ جانے والے۔ نہ درشت خو نہ سخت گو۔ چیخ کر نہیں بولتے
بدی کا بدلہ دینا ہی نہیں دیتے۔ معافی مانگنے والے کو معاف کرتے
ہیں۔ اور گنہگار کو بخش دیتے ہیں۔ ان کا کام مذاہب کی کجی کو دور کرنا ہے
القصہ ہر ایک خوبی سے آراستہ اور جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف

صبر و حلم

حضورؐ نے ایک یہودی کا قرض دینا تھا۔ گو ابھی ایام وعدہ باقی تھے۔ مگر
اُس نے راہ چلتے ہوئے حضور کا گریبان آ کر پکڑ لیا۔ کہ میرا قرض ادا کرو۔ حضرت
عمرؓ نے فرمایا۔ کہ یہ واجب القتل ہے لیکن آپ نے فرمایا نہیں تم مجھے حُسن
ادائیگی کے لئے حُسن تقاضا سکھاؤ۔ پھر اسے ہنس کر فرمایا۔ کہ ابھی ایّام باقی ہیں
ایک اعرابی نے پیچھے سے آ کر زور سے حضُور کی چادر کھینچی۔ جس سے گردن سُرخ ہو گئی

حضور نے پلٹ کر دیکھا۔ تو وہ بولا۔ کہ میری امداد کرو۔ میں غریب ہوں" آپ نے خدام کو فرمایا۔ کہ ایک اونٹ جو کا اور ایک اونٹ کھجور کا دلا دو۔

ادب و تواضع

کبھی پاؤں پھیلا کر مجلس میں نہ بیٹھتے۔ اپنی تعلیم کے لئے مسلمانوں کو استادہ ہونے سے منع فرماتے کوئی شخص دست مبارک کو پکڑ لیتا۔ تو خود کبھی نہ چھوڑاتے کسی کی بات نہ کاٹتے سوار ہوکر پیادل کو ساتھ نہ لیتے۔ یا سوار کر لیتے۔ یا اُسے واپس کر دیتے

جود و سخاوت

سائل کو کبھی رد نہ فرماتے۔ اور زبانِ مبارک پر انکار نہ لاتے اگر کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا۔ تو سائل سے عذر کرتے گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔ ایک شخص نے آکر سوال کیا فرمایا۔ میرے پاس تو ہے نہیں تم بازار سے میرے نام پر قرض لے لو۔ دن میں جو کچھ نقد آتا اُسے شب خوابی سے پہلے خرچ کر دیتے۔ رات کو گھر میں نقد نہ رہنے دیتے۔

شفقت و اخفاء عبادت

عبادت نافلہ چھپ کر فرمایا کرتے۔ تاکہ اُمت پر اس قدر عبادت کا کرنا شاق نہ ہو۔ اس لئے ہمیشہ آسان صورت اختیار فرماتے، کسی کی غیبت نہ سنتے، محض اس خیال سے کہ مبادا اس کی جانب سے میری صاف دلی میں فرق آ جائے وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرمایا کرتے۔ تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں بسا اوقات ساری ساری رات امت کے لئے دعا کرتے اور زار زار روتے۔

صلۂ رحم

آپ فرماتے۔ کہ میرے دوست تو اہل ایمان ہی ہیں لیکن صلۂ رحم سب کے ساتھ ہے۔ ایک جنگ میں ایک لونڈی نے کہا۔ کہ میں آپ کی دایہ کی بیٹی ہوں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی چادر مبارک اُتار کر اس کے لئے بچھا دی۔

عفت و عصمت

حضور ہادیئے اسلام فرماتے ہیں۔ کہ میں رات کو لوگ

کہانیاں کہا کرتے تھے مجھے بھی سننے کہنے کا شوق ہوا۔ اس وقت عمر ۱۱ سال سے کم تھی۔ میں اس ارادے سے چلا۔ راہ میں آرام کے لئے ذرا بیٹھ گیا۔ وہیں نیند آگئی۔ جب سُورج نکلا۔ تو آنکھ کھلی اسی عمر کا ذکر ہے۔ کہ کسی کے ہاں بیاہ تھا عورتیں گا رہی تھیں۔ دف بجتی تھی۔ میں سننے کے لئے چلا۔ راہ میں نیند نے غلبہ کیا۔ اور سو گیا۔

زُہد

راہ علم کی دُعا یہی تھی۔ آلٰہی ایک دن بھُوکا رہوں۔ ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں۔ اور کھا کر تیرا شکر ادا کیا کرُوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السّلام کا کنبہ مہینہ دو مہینہ تک پانی اور کھجُور پر گزران کرتا۔ چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی۔ ابن عوف کہتے ہیں۔ کہ میرے گھر میں حضور علیہ السّلام نے تا وفات نان جویں سیر ہو کر نہ کھائی۔ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ میرے گھر میں حضور علیہ السّلام کا بستر کھجُور کے پٹھوں سے بنا ہوا تھا۔ حفصہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ میرے گھر میں حضور علیہ السّلام کا بستر صرف ٹاٹ کا تھا۔ جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا۔ ایک دن چہار تہ کر دیا تو فرمایا۔ بستر نرم ہو گیا ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ حضور علیہ السّلام کی زرہ مبارک ایک شخص کے پاس بعوض غلہ گروی تھی۔ حضور علیہ السّلام حالتِ نزع میں تھے

حضرت حذیفہؓ نے اُس وقت پڑوسن سے مانگ کر تیل منگوایا تھا۔ فاطمہ زہراؓ نے تنور کی آگ سے جھلسے ہوئے اور چکی کی تکلیف سے چھالے پڑے ہوئے ہاتھ دکھا کر ایک لونڈی مانگی۔ فرمایا" اللہ کو خوب یاد کرو۔ دنیا کی تکلیفیں کیا ہیں۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی ہم کو اتنا دے جتنا پیٹ میں ڈال لیں۔ زُہد کی یہ صورتیں نیاری تھیں۔ ناچاری ہی کچھ نہ تھی

شدّتِ عبادت حبیبؐ

سجدے میں اتنی اتنی دیر تک پڑے رہتے۔ کہ صحابہؓ کو انتقال کا وہم ہو جاتا۔ نماز نافلہ میں اتنا لمبا قیام فرماتے۔ کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا صحابہؓ نے کہا۔ کہ آپ تو بخشے ہوئے ہیں۔ اتنی سختی عبادت میں کیوں پسند فرماتے ہیں فرمایا کیا اُس کا شکر ادا نہ کروں۔ مناجات کے وقت سینہ مبارک دیگ کی طرح جوش مارتا ہوا معلوم ہوتا۔ پے در پے کئی کئی دن کا روزہ رکھتے۔ مگر دوسروں کو اس سے منع فرماتے۔

تعلیماتِ مصطفوی

تہذیبِ نفس

دانا وہ ہے۔ جو اپنے نفس کو ذلیل اور مابعد موت کے لئے عمل کرتا ہے۔ نادان وہ ہے۔ جو نفس کا تابع ہو کر خدا پر امیدیں باندھتا ہے۔ پہلوان وہ نہیں۔ جو لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہے بلکہ پہلوان وہ ہے۔ جو اپنے نفس کو مغلوب کر لیتا ہے۔ قناعت ایسا خزانہ ہے جو خالی نہیں ہوتا غیر ضروری کام چھوڑ دینا عمدہ دینداری ہے۔ مشورہ بھی امانت ہے (یعنی دانستہ غلط مشورہ دینا امانت میں خیانت کرنا ہے) ترک شر بھی صدقہ ہے۔ حیا سراپا خیر ہے صحت اور فراغ دستی نعمتیں ہیں جو ہر ایک کو میسر نہیں۔ گزران میں میانہ روی رکھنا نصف روزی ہے تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں۔ جو عہد کا پابند نہیں وہ دیندار نہیں عقل سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ آدمی کی خوبصورتی اس کی فصاحت ہے۔ جہل سے بڑھ کر کوئی افلاس نہیں۔ جس میں امانت نہیں۔ اس میں ایمان نہیں حسن خلق کے برابر محبت کی کوئی تدبیر نہیں۔ تواضع

سے درجہ بلند ہوتا ہے خیرات سے مال میں کمی نہیں آتی اپنے بھائی کو طعن نہ دو۔ جس طرح سرکہ سے شہد خراب ہوتا ہے اسی طرح بد خلقی سے سب اوصاف زائل ہو جاتے ہیں ؀

اقارب سے سلوک ۔ رحم (قرابت) رحمان سے نکلا ہے جو قرابت کو قائم رکھتا ہے۔ خدا اُسے ملتا ہے۔ جو اُسے چھوڑتا ہے خدا اُس کو چھوڑتا ہے۔

لڑکیوں کی پرورش ۔ اگر کسی شخص کی تین بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ خدا سے ڈر کر اُن کی اچھی تربیت کرے۔ تو وہ بہشتی ہے (خواہ ایک ہو) لڑکیوں کی پرورش ایک امتحان ہے۔ جو اِس میں پورا اُترے۔ وہ دوزخ سے بچا رہے گا۔

یتیموں کی پرورش یتیموں کی پرورش کرنے والا بہشت میں میرے ساتھ یوں رہے گا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں۔

باہمی برتاؤ کی تعلیم ۔ جو چھوٹوں پر رحم اور بزرگوں کی توقیر نہیں کرتا۔ وہ ہم سے نہیں۔ تم اہل زمین پر مہربانی کرو۔ خدا آسمان پر مہربان ہوگا۔ جو رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ایک شخص دوسرے کی بجائے آئینہ ہے ؀

اگر کسی بھائی میں کوئی عیب ہو۔ تو اُسے بتلادو۔ سب کو ایک دیوار کی مانند ہو جانا چاہیئے۔ جس کی اینٹ

نیک کام کا بتانا۔ بُرے کام سے ہٹانا بھولے کو راستہ بتانا۔
ضعیف البصر کو راہ بتانا۔ راستہ سے کانٹا وغیرہ کا ہٹانا
پانی کا دوائی نکال کر پلانا۔ سب کو سلام کرنا۔ کھانا کھلانا۔ رات کو
چھپ کر نماز پڑھنا اسلام کی عمدہ علامتیں ہیں۔ یہ مت کہو کہ اگر
لوگ ہم سے سلوک کریں گے۔ تو ہم بھی کریں گے۔ اور اگر ظلم کرینگے
تو ہم بھی کریں گے بلکہ ایسی عادت بناؤ۔ کہ اگر تم سے سلوک نہ کریں تو
تم اُن سے احسان کرو۔ اور اگر وہ تم سے برائی کریں تو تم اُن پر ظلم نہ کرو جس
کے اخلاق اچھے ہیں۔ وہ قیامت کے دن مجھے پیارا اور میرا
قریبی ہوگا جس کے اخلاق بُرے ہیں۔ میں اُس سے بزار اور
دور ہوں گا ؎

میں بیہودہ گو لاف زن تکبّر کرنے والے سے بزار ہوں
اچھی حالت میں رہنے کا نام تکبّر نہیں۔ تکبّر دوسرے کو حقیر
جاننے اور سچائی کو روک دینے کا نام ہے۔ عام لوگوں
سے محبّت رکھنا نصف عقل ہے ؎

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے فوائد!

(۱) اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری اور تعمیل حکم۔

(۲) اللہ عزّوجل کے ساتھ درُود میں موافقت!

(۳) درود شریف میں فرشتوں کے ساتھ موافقت!

(۴) ایک دفعہ درود شریف پڑھے۔ تو اس کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے دس رحمتوں کا ملنا۔

(۵) ایک دفعہ کے درود پڑھنے سے دس درجات کا بلند کیا جانا؛

(۶) ایک بار درُود شریف پڑھنے سے دس حسانات کا لکھا جانا؛

(۷) ایک بار درود شریف پڑھنے سے دس برائیوں کا محو کیا جانا؛

(۸) جب درود شریف۔ دعا سے اوّل و آخر ہو۔ تو اُس دُعا کا قبول ہونا؛

(۹) درُود خوانی سبب ہے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شفاعت کے پانے کا۔

(۱۰) درُود شریف گناہوں کی معافی کا باعث ہے!

(۱۱) تنگدست کے لئے درُود شریف قائم مقام صدقہ ہے

(۱۲) صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم جواب دیتے ہیں۔ (۱۳) بکثرت درود شریف پڑھنے سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُس شخص سے محبّت ہو۔

جاتی ہے۔

(۱۴) درود خوانی اِس امر کا ذریعہ ہے۔ کہ مدح خوان کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضوریوں میں لکھا جائے۔ اور اس کے لئے اِس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔ کہ درود شریف کی برکت سے اس کا دربار عالی میں نام لیا جائے ؛

(۱۵) درود شریف پڑھنے سے مجلس پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ اور قیامت کے دن وہ نشست اہل مجلس کے لئے حسرت نہیں بنتی۔ اور جس مجلس میں درود شریف نہ پڑھا جائے۔ وہ مجلس قیامت کے دن اہلِ نشست کے لئے حسرت کا باعث ہوگی ؛

(۱۶) درود شریف پڑھنے سے تنگدستی جاتی رہتی ہے۔

(۱۷) درود شریف پڑھنے والے کو مرنے سے پہلے بشارت جنّت مل جاتی ہے!

(۱۸) درود شریف پڑھنے سے رنج وغم دور ہو جاتے ہیں ؛

(۱۹) درود شریف پڑھنے سے بھولی ہوئی چیز یاد آ جاتی ہے ؛

(۲۰) درود خوانی انسان کی ہدایت اور حیاتِ قلب کا باعث ہے

حضور علیہ السلام کے گرامی قدر خطوط!

یہ خطوط آپؐ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں ہرقل قیصر روم[1] خسرو[2] پرویز کسرٰی ایران۔ حارث[3] شہزادہ بنی غسان۔ ومقوقس[4] شاہ مصر۔ حاکم یمامہ[5] اور شاہ حبش[6]۔ کی طرف روانہ کیئے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل قیصر کے نام!

جو سفیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل قیصر روم کے پاس لے کر گیا۔ اس کا نام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہٗ تھا۔

جب یہ نامہ پہنچا۔ تو ہرقل یروشلم کے پیدل سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ اس نے منت مانی ہوئی تھی۔ کہ اگر ایرانیوں پر اُس کی فتح ہوگی تو وہ پا پیادہ بیت المقدس کی زیارت کرے گا۔ آں حضرت صلعم کے سفیر سے اچھی طرح پیش آیا اور آپکے دعاوی کو بڑی توجہ اور اشتیاق سے سُنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے حالات سے مزید! واقفیت حاصل کرنے کے لئے مکہ کے چند تاجروں کو اپنے حضور بلوایا جو اتفاقاً ایک قافلہ کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔

اِن تاجروں میں ابوسفیان بھی تھا۔ جو کہ تاحال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ اور اِسی ذریعہ سے ہم تک اس ملاقات کی تمام کیفیت پہنچی ہے۔ جو قیصر اور اور ابوسفیان کے درمیان واقع ہوئی تھی۔

جب اِن سوداگران مکہ کو قیصر کے حضور باریابی ہوئی تو اس نے ترجمان کی مدد سے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون اس مدّعی نبوت کا قریبی رشتہ دار ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا حضور" میں " تب ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے نزدیک کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اور باقی تاجروں کو اس کے پیچھے کھڑے رہنے کا ارشاد کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ اگر کسی سوال کے جواب میں یہ کوئی بات خلاف واقعہ کہے تو فوراً اس کی اصلاح کرو۔ ابوسفیان خود بیان کرتا ہے۔ کہ اگر مجھے اپنے ساتھیوں کی طرف سے یہ خوف نہ ہوتا۔ کہ وہ میرے کذب کی تردید کریں گے۔ تو میں ضرور قیصر کے حضور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ! جھوٹی باتیں بھی بیان کرتا۔ لیکن میرے ساتھیوں کی موجودگی نے ایسا مجھے کرنے سے باز رکھا"۔ جو سوالات قیصر نے اس وقت کیے تھے۔ وہ ایسے معقول اور طالب حق کے لئے ایسے راہ نما ہیں۔ کہ اِن کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ انشاء اللہ تعالےٰ ہمارے ناظرین کیلئے بھی فائدہ سے خالی نہ ہونگے۔ ایک سعید روح اس سوال وجواب سے حضرت نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نسبت بہت فائدہ اٹھا سکتی ہے ذیل میں ہم قیصر کے سوالات اور ابوسفیان کے جوابات نقل کرتے ہیں۔

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
(۱) محمدؐ قوم کا کیسا ہے؟	(۱) قوم کا بڑا شریف اور نجیب

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
(۲) تمہاری قوم (قریش) نے کبھی اُس سے آگے بھی اسطرح نبوت کا دعوے کیا ہے؟	(۲) ایسا دعوے ہماری قوم میں کسی نے کبھی نہیں کیا۔
(۳) اس کے بزرگوں میں کوئی ایسا بادشاہ گزرا ہے جس کی بادشاہت جاتی رہی ہو؟	(۳) ایسا کوئی بادشاہ اس کے آبا و اجداد میں نہیں گذرا۔
(۴) امیر لوگ علی العموم اس کے فرماں بردار ہوئے ہیں یا غریب؟	(۴) غالباً غریب اور مساکین لوگ اسکے تابع ہوتے ہیں۔
(۵) دن بدن مسلمان بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں	(۵) دن بدن بڑھتے ہیں۔
(۶) کوئی آدمی محمدؐ کے دین میں داخل ہو کر ان دنوں مرتد ہوتا ہے یا نہیں؟	(۶) کوئی مرتد نہیں ہوتا محمدؐ کے دین کو بُرا مان کر اُسے کوئی نہیں چھوڑتا۔
(۷) اس دعوے سے پہلے یہ شخص جھوٹ کا عادی تھا یا نہیں؟	(۷) اسکو ہم لوگ ہمیشہ سچا اور راست گو یقین کرتے تھے۔
(۸) کبھی لڑائی میں عہد شکنی کرتا ہے یا نہیں؟	(۸) آجتک اسنے عہد شکنی نہیں کی آگے دیکھئے کیا کرتا ہے۔
(۹)(۱۰) تمہاری اور اُس کی لڑائی	(۹-۱۰) کبھی وہ فتح پاتا ہے۔ اور

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
ہوتی ہے۔ یا نہیں اگر ہوتی ہے۔ تو کون فتحیاب ہوتا ہے؟	کبھی ہم غالب آتے ہیں۔
تم کو کیا حکم کرتا ہے؟	اللہ کی بندگی کرو۔ ذرا بھی شرکت کرو مشرکوں کی تقلید مت کرو۔ اور حکم کرتا ہے نماز پڑھنے سچ بولنے اور گناہوں سے بچنے او صلۂ رحمی کا۔

جب ہرقل نے یہ جوابات سُنے۔ تو اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اور وہ کہنے لگا۔ کہ پہلے سوال سے میرا منشا یہ تھا۔ کہ تمام نبی اعلےٰ خاندان میں ہی پیدا ہوتے ہیں (کیوں کہ اگر وہ ادنےٰ درجہ کے لوگوں میں سے ہوں تو لوگ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اِس طرح ان کی ادنےٰ پیدائش کی وجہ سے ان کی قوم کے اکثر افراد سچائی سے دُور رہ جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ نیچ قوم کے لوگوں میں سے پرہیزگار اور خدا رسیدہ آدمی پیدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں۔ کہ جن کو اللہ تعالےٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے۔ اور ہمیشہ اعلےٰ اور شریف خاندان میں ہی پیدا ہوتے ہیں) اور دوسرے سوال سے ہرقل نے کہا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر قریش میں

سے کسی نے پہلے نبوّت کا دعوےٰ کیا ہے۔ تو شاید یہ نبی اس کے نقشِ قدم پر چلتا ہو۔ پھر قیصر نے ابوسفیان سے تیسرے سوال کا جواب سن کر فرمایا۔" اگر اس کا کوئی جد امجد بادشاہ ہوتا تو یہ شک ہو سکتا تھا۔ کہ وہ اپنے موروثی سلطنت کے حاصل کرنے کا خواہاں ہے" اسیطرح ساتویں سوال کا جواب سن کر ہرقل نے کہا۔ کہ اگر اس نے کبھی انسانوں کے متعلّق جھوٹ بولنے کا گناہ نہیں کیا تو خدا پر جھوٹ بولنے کا گناہ اِس سے کیونکر سرزد ہو سکتا ہے"؟ باقی سوالوں کے جوابات سن کر قیصر نے کہا۔ کہ اگر یہ تاجر جو کہتا ہے۔ وہ سچ ہے تو اس نبی کی صداقت میں کلام نہیں! کیونکہ بلاشک وشُبہ یہ علامات ایک راستباز نبی کے سوا دوسرے میں نہیں پائی جا سکتیں ❖

پس حضرت نبی کریمؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خط کو پڑھنے کے بعد قیصر روم نے اِس علاقہ کے رؤساء کو حکم دیا۔ کہ مقام حمص پر حاضر ہوں وہاں پہنچ کر ہرقل نے ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ" اے سردارو! اگر تم سلامتی اور ہدایت چاہتے ہو۔ تو اسی نبی عربی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی متابعت کرو" یہ الفاظ سُنکر وہ سب کے سب صحرائی گدھوں کی طرح نفرت ظاہر کرنے اور صلیبوں کو اٹھا کر اوپر ہوا میں جنبش دینے لگے۔ جب ہرقل نے یہ عالم دیکھا۔ تو وہ اِن کی طرف سے مایوس ہو گیا اور چونکہ اپنی سلطنت سے دست کش نہیں ہونا چاہتا تھا اس لئے یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا۔ کہ میں تو تمہارا

ایمان آزمانا چاہتا تھا۔ اور اب مجھے تمہارے استقلال اور جانفشانی پر پورا اطمینان ہے۔" (صحیح بخاری)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بنام خسرو پرویز کسرائے ایران اور ایک بڑا معجزہ ! ! !

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایلچی کسریٰ ایران کے پاس خط دیکر بھیجا۔ اُسکا نام عبداللہ بن حذیفہ تھا۔ اِس خط کا مضمون آخر میں دیا جاتا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط مغرور شاہ فارس کے پاس پہنچا اُس نے غصّہ میں آکر رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے مبارک نامہ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب یہ خبر حضرت نبی کریم ؐ کو پہنچی۔ تو آپؐ نے دعا کی۔ اور فرمایا۔ مزق اللہ ملکہ (زاد المعاد صفحہ ۵۶ جلد ۲) یعنی خدائے تعالےٰ اس کی بادشاہت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے"۔ اِس پیش گوئی کا پورا ہونا کتابِ زوال ایران میں تفصیل کے ساتھ درج ہے، جو منشی عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب لاہور کی مطبوعہ ہے!

کسریٰ فارس نے یمن کے ایرانی حاکم کو حکم بھیجا۔ کہ اِس نبی (صلعم) کو گرفتار کر کے ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ اس غریب کو یہ کیا معلوم تھا۔ کہ جس شخص کو آج وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا۔ اور ایک معمولی واعظ سمجھتا ہے۔ کل اِسی کے پیرو ایرانی تخت پر متمکن ہوں گے۔ اور جس جگہ سے آج وہ بڑے غرور کے ساتھ گرفتاری کا حکم نافذ کر رہا ہے کل وہی اس نبی (صلعم) کے خادموں کے پاؤں تلے ہو گا!

یمن کے ایرانی گورنر نے دو آدمی آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گرفتاری کے لئے روانہ کر دیئے۔ چونکہ کسریٰ بڑا شہنشاہ تھا۔ اس لئے اس کے احکام ایسے سمجھے جاتے تھے۔ کہ جن کی کوئی مخالفت نہ ہوگی یہ لوگ پہلے طائف آئے اور ان کو دیکھ کر قریش بہت خوش ہوئے کیونکہ اُن کے خیال میں کسریٰ فارس کا اس نئی تحریک کی بیخ کنی پر مستعد ہونا بہت بڑی بات تھی۔ ابوسفیان نے بڑے فخر سے کہا۔ کہ دیکھو اب شاہ فارس نے محمدؐ (صلعم) کی بیخ کنی کا ارادہ کیا ہے۔ اِس لئے اب محمدؐ صلعم زندہ نہیں رہ سکتا۔ عامل یمن کے بھیجے ہوئے آدمی طائف سے مدینہ کو گئے۔ لیکن جب وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو اُن پر ایسا رُعب چھایا۔ کہ انہوں نے مارے خوف کے کانپنا شروع کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کا مُدعا معلوم ہوا[1]۔ تو آپؐ نے کہ آج کا ایک دن ٹھہر جاؤ۔ ہم کل جواب دیں گے۔

---

[1] یہ ایلچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو پیغام لائے تھے اس کا مضمون یہ تھا۔ کہ باذان فارس یمن نے اس لئے ہمیں آپؐ کے پاس بھیجا ہے۔ کہ ہم آپ کو ملک الملوک خسرو پرویز کے پاس لے جاویں۔ اگر آپ برضا رغبت ہمارے ساتھ چلیں۔ تو بہتر ہے۔ اگر آپ انکار کریں۔ تو آپ کو کسریٰ کی طاقت کا خوب علم ہے وہ آپ کو آپ کی جماعت کے سمیت تباہ کر دے گا۔ بلکہ کل ملک عرب کو برباد کر دے گا۔ اس وقت اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ تو باذان کی وساطت سے کسریٰ سے معافی طلب کر سکتے ہیں، آں حضرت صلعم یہ پیغام سن کر مسکرائے۔ اور فرمایا۔ ٹھہرو۔ ہم کل اس کا جواب دینگے۔ منہ

اسی رات آپؐ نے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی اس
دعا کے جواب میں خدائے تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ آج
ہی کی رات اس شہنشاہ کو اس کے بیٹے نے مار ڈالا ہے صبح
کو حضرت نبی کریم صلعم نے ان ایلچیوں کو اپنے سامنے بلا کر
فرمایا۔ دیکھو آج ہی کی رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند
کا اسی کے بیٹے کو اس پر مسلط کر کے کام تمام کر دیا ہے۔

یہ جواب پاکر وہ لوگ متعجب ہوئے اس عجیب و غریب
خبر کی صحت معلوم کرنے کے لئے یمن کو واپس روانہ ہو گئے
اس خبر کے صحیح ثابت ہونے پر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی صداقت میں کیا کلام ہو سکتا تھا۔ کیونکہ سوائے خدا کے
اور کون ہے جو اتنے دور کے واقعہ کا ایک ہی رات میں
پتہ دے۔ کوئی ایسی تار برقی نہ تھی جو ایران کے دارالخلافہ
کے اخبار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتی۔ ہاں ایسی خبر
اگر کوئی دیتا۔ تو محض ایک ملہم من اللہ ہی دے سکتا تھا۔ آخر وہ
ایلچی یمن کو روانہ ہو گئے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
جواب صوبہ دار یمن کو دے دیا جب اس نے یہ بات سنی۔ تو وہ بھی
ششدر رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اگر یہ بات سچی ثابت ہو جائے تو اس
شخص کی نبوت میں کلام ہی کیا ہے جس نے اتنے فاصلے کی خبر بتا دی ہے اور یہ خبر آخر کار سچی ہی
ثابت ہوئی کیونکہ ان ایلچیوں کے یمن پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد شیرویہ پسر

خسرو پرویز کا خط گورنر یمن کے نام آیا جس میں بعینہ وہی خبر درج تھی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ ایک بیّن ثبوت تھا اور اس کا نتیجہ جو لازماً ہونا چاہیئے تھا وہ یہ ہوا کہ گورنر فوراً صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔

مضمون خط بنام کسریٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس۔ سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وامن باللہ و رسولہ۔ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ادعوک بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس

(ترجمہ) اللہ کے نام سے میں اس نامہ کو شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے یہ خط خدا کے فرستادہ (حضرت) محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کے نام ہے۔ سلامتی ہو۔ اس شخص پر جس نے اس ہدایت کی پیروی کی۔ اور خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا۔ اور گواہی دی۔ کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کا بندہ اور

اس کا فرستادہ ہے۔ میں تجھے اللہ کی طرف بُلاتا ہوں۔ مجھے خدائے تعالےٰ نے کل دنیا کے لئے رسول کر کے بھیجا ہے۔ تاکہ جو شخص زندہ ہے میں اس کو ڈراؤں اور انکار کرنے والوں پر حجّت پوری ہو۔ اسلام کو قبول کرو تاکہ بچ جاؤ۔ اور اگر تو نے انکار کیا۔ تو یاد رکھ۔ کہ کل قوم مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔ (زاد المعاد جزو ثانی صفحہ ۵۶)

حضرت نبی کریم صلعم کا خط مقوقس شاہ مصر کے نام

مقوقس شاہ مصر کی طرف جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر گیا۔ اُس کا نام حاطب ابن ابی ملتبعہ تھا۔ شاہ مصر نے اُس کا بڑی عزّت سے استقبال کیا۔ اور جو تقریر اُس نے شاہ موصوف کے حضور کی وہ بہت دلچسپ ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے سفیر محض سرکاری ہی نہ تھے۔ بلکہ مذہب اسلام کے واعظ بھی تھے۔ اِن کی مجلس کے مطابق تقریر کرنی آتی تھی۔ اور وہ دلائل کے ذریعہ اپنے سامعین پر اثر ڈال سکتے تھے شاہ مصر کے حضور کھڑے ہو کر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو وہ نقشہ یاد آیا جو سینکڑوں برس پہلے اسی ملک کے دربار شاہی میں مشاہدہ کیا گیا تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام ایک زمانہ فرعون شاہ مصر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اِسی ملک کے ایک اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا۔ فرق یہ تھا کہ موسیٰ ؑ فرعون کے سامنے

خود کھڑے تھے۔ لیکن اب موسیٰ علیہ السلام سے بزرگتر نبی کا قائم مقام تھا جس نے نہایت مناسب الفاظ میں بڑی جرأت اور مناسب ادب سے موجودہ بادشاہ کو فرعون کا انجام یاد دلایا اور کہا۔ انّہ کان قبلک رجل یزعم انّہ الرب الاعلیٰ فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ والاولیٰ فانتقم بہ ثم انتقم منہ فاعتبر بغیرک ولا یعتبر غیرک بک۔ یعنی آپ سے پہلے ایک شخص گزرا ہے جس نے اپنے تئیں خداوند خدا ظاہر کیا تھا اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو درلی اور پرلی زندگی کی سزا میں گرفتار کیا۔ پس آپ دوسروں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اور ایسا نہ کریں۔ کہ لوگ آپ سے عبرت پکڑیں ہمارے ناظرین میں سے شاید کسی کو تعجب ہوگا۔ کہ یہ صحرا اور وادیوں کے رہنے والے کس دلیری سے بڑے بڑے بادشاہوں کے بھرے درباروں میں بولتے تھے۔ اور اُن کی شان و شوکت کا ان پر کوئی رعب نہیں پڑھتا تھا۔ لیکن یاد رہے۔ کہ اگرچہ وہ ڈرانے میں دلیر تھے تاہم ان کے الفاظ شیریں اور کرختی مبرّا تھے اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ وہ ایک بڑے مدبر کی طرف سے موزوں قائیم مقام تھے۔ یہاں پر یہ بتلا دینا بے محل نہ ہوگا۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں نے دوسروں کی طرح اِن بادشاہوں کو کبھی جھک کر سلام نہیں کیا۔ اور جب کبھی اُن سے دریافت کیا گیا۔ تو جواب دیا۔ کہ ہم صرف اپنے خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں ؎

الغرض شاہ مصر نے حاطب رضؓ کی تقریر کا یہ جواب دیا کہ ہم ایک مذہب کے پیرو ہیں۔ اور جب تک کو بہتر مذہب نہ مل جائے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے حاطب رضؓ نے بادشاہ کا مطلب سمجھ لیا۔ اس کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرا معاملہ فرعون کے برعکس ہے۔ فرعون غلطی پر تھا۔ اور اپنے تئیں خدا سمجھتا تھا۔ لیکن میں ایک سچے مذہب پر قایم ہوں۔ اور الہامی کتابوں کو مانتا اس لئے اگر میں اپنے ہی مذہب پر قایم رہوں۔ اور اس عربی نبی کے دعوے کو نہ سنوں تو میں فرعون کیطرح خدا کے حضور گنہگار نہیں ہو سکتا حاطب رضؓ نے بادشاہ کی اس دلیل کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی اور آپ کی بعثت کی غرض بیان فرمائی۔ اور کہا۔ کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ تو یہودیوں کے لئے ضروری تھا۔ کہ آپ پر ایمان لائیں۔ اور اب اسی طرح جب۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ دونوں کی پیشگوئیوں کے عین مطابق نمودار ہوا ہے۔ تو یہودیوں اور عیسائیوں دونو کا فرض ہے کہ اس پر ایمان لائیں۔ ہم آپ کو اُسی طرح قرآن کریم کیطرف بلاتے ہیں۔ جسطرح آپ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہیں جن لوگوں کے درمیان نبی مبعوث ہوتا ہے۔ وہ اس کی قوم ہو جاتے ہیں۔ اور اُن پر فرض ہوتا ہے۔ کہ اسے مانیں۔! چونکہ آپ اُس نبی کے زمانہ میں رہتے ہیں۔!

اس لئے آپ کا فرض ہے۔ کہ اُس پر ایمان لائیں،، بادشاہ سے ان دلائل کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا مطالعہ کرنیکے بعد اُس حاطب رض سے کہا،، میں نہیں دیکھتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی تعلیم دیتے ہیں جس سے مجھ کو پرہیز کرنا چاہیئے یا ایسی چیز سے منع فرماتے ہیں۔ جس کی مجھے خواہش ہے۔ نہ وہ (صلی اللہ علیہ وسلم ساحر ہیں۔ نہ غلطی خوردہ۔ نہ دغاباز ہیں۔ نہ جھوٹے ہیں۔ میں اُن میں نبوت کی علامات پاتا ہوں،، اس کے بعد اس نے رسول اللہ صلعم) کے خط ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ڈبے میں رکھوا دیا۔ اور اُس پر مُہر کر کے اپنے خزانچی کے سپرد کر دیا۔ پھر مقوقش حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت معذبانہ جواب لکھا۔ جس میں تحریر کیا۔ کہ،، مجھے اس بات کا علم ہے۔ کہ ایک نبی معبوث ہونے والے ہیں لیکن میرا خیال تھا۔ کہ وہ مقدس سرزمین شام میں پیدا ہوں گے شاہ مصر کو جو ایک نبی کا انتظار تھا۔ اس کی بنا ان پیشگوئیوں پر تھی جو استثنا ۱۸-۱۸۔ یوحنا ۱-۲۱-۲۵۔ اعمال ۳-۲۰-۲۲ یوحنا ۱۵-۲۶ اور دیگر عہد عتیق و عہد جدید کی کتابوں میں مذکور ہیں،،

اسی جواب کے ساتھ مقوقش نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات میں چند تحائف بھی ارسال کئے (ملاحظہ ہو۔ زاد المعاد صفحہ ۵۶،۵۷ جزو ثانی

حضرت نبی کریم صلعم کا خط بنام شاہ حبش ہما

حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی سینیا کے بادشاہ کے پاس یکے بعد دیگرے دو خط عمرو بن اُمیہ کے ہاتھ روانہ فرمائے پہلے میں وہی مضمون تھا جو دوسرے

شاہوں اور رؤسا کے نام تھا یعنی دعوت اسلام شاہ حبش کو اس نئے مذہب یعنی اسلام کا زیادہ علم تھا۔ اور مسلمانوں کے اخلاق وعادات سے وہ بخوبی واقف تھا کیونکہ بہت سے صحابہؓ نے اُس کے ملک کی طرف ہجرت کی تھی اس خط کا جواب نجاشی نے بڑے انکسار سے دیا۔ اور اسلام قبول اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلعم کے حضور حاضر نہیں ہو سکتا دوسرے خط میں حضرت نبی کریم صلعم نے شاہ مذکور کو لکھ بھیجا کہ اُن مہاجرین کو جواب تک ملک حبش میں باقی تھے۔ مدینہ کو واپس بھیجدے نجاشی کو جب یہ خط پہنچا۔ تو اس نے دو جہازوں میں مہاجرین سوار کرا کر مدینہ کو روانہ کردیا جہاں وہ بخیروعافیت پہنچ گئے،

منظر سوم

حلیہ مبارک

حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم

کس قدر محبوب ہے نام محمد مصطفےٰ
عرش اعلیٰ تک بھی جس پر کہتے ہیں صلی علیٰ

آپکی ذات مقدس جامع فضل و کمال
رحمت اللعلمین ختم رسل خیر الوریٰ!

حلیہ شہنشاہ عالی نسب والاحسب
مختصر لکھتا ہوں جو کچھ ہے حدیثوں میں لکھا

آپکے حسنِ جہاں افروز کی ہو کیا صفت — حسنِ صورت حسنِ سیرت ہیں عیاں نورِ خدا

رنگ وہ رنگ اک کہتے ہیں گندم مثال — واہ وا خلقِ خدا کی منحصر جس پر ابقار

ذہن کہتا ہے کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں — اوسط خیر الامور و قامتِ خیر الورای

جس کسی کا قدِ بالا دور سے آتا نظر — پست آتا تھا نظر پیشِ قدِ معجز شمار

گیسوئے مشکیں سیاہ تھے رشکِ نافہ ختن — یا خدا کی رحمتوں کی موجزن تھی اک گھٹا

حلقہ ہائے گیسوئے اطہر جو آتے تا بگوش — کہہ رہے تھے قدہ حلقہ بگوشِ دوسرا

آپ کی پیشانیِ اقدس کشادہ مثلِ ماہ — ابروئے خمدار تھے گویا ہلالِ خوشنما

سرمگیں چشمِ سیاہ پر صدقے چشمِ حورِ عین — سرمگیں نیچی نظر گویا کہ تصویرِ حیا

بینیٔ بالا لبِ خوش رنگ نازک رشکِ لعل — اور دندانِ مبارک مثلِ گوہر پر ضیا

عارضِ پُرنور پر محبوبیت تھی اس قدر — رنگِ رعنائی پہ رنگِ مہر بھی قربان تھا

آپکا خطِ مصحفِ عارض کی اک تفسیر تھا — آپ کی ریشِ مقدس تھی سیاہ و خوشنما

گردن بالا جھکی رہتی تھی جو افکار میں — جس میں تھیں شیریں بیانیاں الہا گلوئے دلربا

ثبت تھی مہرِ نبوت شانۂ محبوب پر — شانہ ہائے مصطفےٰ تھے یا تھی وہ شانِ خدا

سینۂ اقدس کشادہ ہے الم نشرح گواہ — وہ تھا اک گنجینۂ اسرارِ ربِ کبریا

سینہ و شانہ پہ تھے موئے سیاہ مرغوب تر — اک مسلسل تھا خطِ موزوں لبصدرِ مجتبےٰ

تا بہ زانو پہنچتے تھے بازوئے دلکش دراز — طاقتِ ہر دو جہان کا جن میں مخفی راز تھا

آپ کے دستِ مبارک سے عیاں نورِ نبوت — پتلی پتلی انگلیاں صدقے قمر جن پہ ہوا

دیکھتے موسیٰ جو اعجازِ کفِ دستِ حضور — وہ یدِ بیضا سے کرتے ان کی بیعت پر ملا

دستِ حق ہیں آپ کے دستِ مبارک واقعی — محترز ایذا سے اور وقف تھے جو دوسخا

اس قدر پائے مبارک آپکے نازک ترین — جب قلم زن ہوتے تھے معلوم تک ہو نازِ تھا

ایسی آہستہ خرامی تھی کہ صدقے کبک ہو
ہم قدم اس پر بھی لیکن کوئی ہو سکتا نہ تھا

فلسفہ دانوں نے اس پر بھی کیا ہے غور کیا
آپ تھے ظلِ خدا پر آپ کا سایہ نہ تھا

حق تو یہ ہے حلیہ والا نہیں لکھ سکتا ہے
بہر تسکینِ دلِ عشاق کچھ لکھا گیا

آپ کے حسن و جمالِ دلرُبا کو دیکھ کر
سینکڑوں یوسف بھی گر ہوتے ہو جاتے فدا

یہ تمنا ہے دلِ فاجر سراپا دید کی
وہ بھی دن آئے کہ ہو دیدارِ محبوبِ خدا

تمام شد

ہر قسم کی سستی و بلا رعایت کتابیں۔ ملنے کا پتہ

منشی عزیز الدین نجم الدین تاجران

کتب کشمیری بازار

لاہور

(ڈاکٹر ایم اے علیم نے کوآپریٹو پریس لاہور میں چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا)

حکایات اردو مثنوی مولانا روم ؒ ۲/

اس کتاب میں میجر غلام دستگیر صاحب نے مثنوی شریف کی معنی خیز حکایات کا اردو ترجمہ نثر میں سلیس اور عام فہم فصاحت و بلاغت سے کیا ہے۔ کہ جس کے پڑھنے سے انسان کامل انسان بن جاتا ہے۔ کتابت و طباعت عمدہ سرورق رنگین آرٹ پیپر پر قیمت ۲/ محصول ڈاک بذمہ خریدار

سوانح عمری غازی علم الدین شہید ۲/

جسمیں مہیمی راجپال کے قتل کیے جانے کے واقعات اور غازی علم الدین شہیدؒ کے چار عدد رنگین فوٹو یعنے تصویر پھانسی تصویر خواب۔ تصویر حیات۔ تصویر جنازہ۔ اور نقشہ روضہ مبارک کے علاوہ مکمل حالات مقدمہ بھی درج ہیں۔

قیمت ۱۲/ محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

سوانح حیات رسول مقبول ﷺ

...ین منورہ سرورق کا نہایت

فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے نہایت ہی صحیح اور دلچسپ اور سبق آموز ہے قیمت ۱۲/ محصول ڈاک بذمہ خریدار

منگوانے کا پتہ:۔ فرم منشی عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب و پبلشرز لاہور بازار کشمیری